کیپٹن شکیل بڑی مستعدی سے لیبارٹری والے میدان سے دور ایک درخت پر بیٹھا دور بین لگا کے ڈیوٹی دے رہا تھا۔ عمران کی کار اندر جاتے اُس نے دیکھ لی تھی اور اِس کی رپورٹ اُس نے واچ ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایکسٹو کو دے دی تھی۔

اب شام ہو رہی تھی اور وہ اِس ڈیوٹی سے قدرے اُکتا گیا تھا کیونکہ سارا دن درخت پر بیٹھے بیٹھے اُس کے پٹھے اکڑ گئے تھے وہ چاہتا تھا کہ درخت سے اُتر کر کچھ دیر ٹہلے لیکن ایکسٹو کا حکم وبالِ جان کی طرح تھا۔

جب وہ ملٹری سیکرٹ سروس میں تھا تو اُس نے ایکسٹو کے بارے میں کافی باتیں سنی تھیں لیکن وہ اُن سب کو افسانوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر وہ ایکسٹو کی ماتحتی میں چلا جائے تو دو دن میں ایکسٹو کو نقاب سے باہر نکل آنے پر مجبور کر دے گا لیکن اب جب وہ اتفاق سے ایکسٹو کی ٹیم میں شامل ہو گیا تھا تو اُس کو وہ تمام افسانے حقیقت نظر آ رہے تھے، ایکسٹو کے معاملے میں وہ ابھی تک کچھ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔

اُس نے اپنے طور پر کوشش بھی کی تھی لیکن وہ قطعی ناکام رہا تھا، لیکن وہ اِس ٹیم میں شامل ہو کر خوش تھا کیونکہ اُس نے ایکسٹو کو بہت شاندار باس پایا تھا۔

اپنے ماتحتوں کی ہر تکلیف کا خیال رکھتا تھا اور ٹیم میں اُسے صفدر، عمران اور جولیا بہت اچھے لگتے تھے۔ بحثیت دوست بھی اور بحثیت ذہین آدمیوں کے بھی وہ اُن کی شخصیتوں کا قائل تھا۔ عمران کا تو وہ گرویدہ ہو چکا تھا، اُس کا خیال تھا کہ اُس جیسا بہترین شخص اُس نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

پہلے چند دن تو وہ اُسے ایک بیوقوف سا آدمی سمجھتا رہا لیکن ماکازونگا کے کیس میں جو اِس ٹیم کا پہلا کارنامہ تھا وہ اُس کی صلاحیتوں کا دل کھول کر اعتراف کر چکا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ عمران ہر قسم کی سچوئشن کو بخوبی ہینڈل کر سکتا ہے وہ ٹیم کے چند ممبروں کی طرح عمران کی بکواس سے اکتاتا نہیں تھا بلکہ عمران کی بکواس اُس کے لئے ہمیشہ دلچسپی کا باعث بنی رہی۔

اچانک وہ اپنے خیالات سے چونک پڑا کیونکہ اُس نے لیبارٹری کا دروازہ زمین سے اُبھرتے دیکھا، اُس نے تمام خیالات اپنے ذہن سے جھٹک دیئے اور چوکس ہو کر دیکھنے لگا۔ دروازہ کھلا اور اُس میں سے ایک چھوٹی سی کار باہر نکلی اور پھر دروازہ زمین میں دھنس گیا۔ اُس نے جلدی سے ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو کو اِس بارے میں اطلاع دی اور وہاں سے تعاقب کی اطلاع پا کر وہ پھُرتی سے درخت سے اُترا اور بھاگتا ہوا نزدیکی جھاڑیوں میں چھُپی ہوئی کار میں بیٹھ گیا اور پھر کار تیزی سے ناہموار میدان میں اُچھلتی کودتی مین روڈ پر آگئی۔ اُس نے جگہ ہی ایسی منتخب کی تھی کہ اگر کسی کا تعاقب کرنا بھی پڑے تو وہ اُس سے پہلے ہی مین روڈ پر پہنچ جائے۔

اُسے معلوم تھا کہ ابھی ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری سے نکلنے والی کار اس سڑک پر نہیں پہنچی ہو گی کیونکہ لیبارٹری کی بائی روڈ کافی طویل تھی، اِس لئے اُس کی کار آہستہ آہستہ رینگتی رہی پھر بیک مرر پر اُسے مطلوبہ کار تیزی سے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کے ذہن میں خیال آیا کہ کار کو روک کر اُس سے پیٹرول کی درخواست کرے تاکہ وہ آسانی سے کار چلانے والے کی شکل دیکھ سکے لیکن پھر اُس نے خیال بدل دیا کیونکہ اِس طرح وہ اِس کار والے کی نظروں میں رہ جاتا اور تعاقب میں اِس کی کار دیکھ کر سمجھ جاتا۔

چنانچہ کار کی رفتار بدستور ویسی ہی رہی چند ہی لمحوں میں پچھلی کار تیزی سے اوورٹیک کرتی ہوئی آگے نکل گئی، اُس نے کار چلانے والے کی ہلکی سی جھلک دیکھی جب آگے جانے والی کار سے فاصلہ بڑھ گیا تو کیپٹن شکیل نے بھی کار کی رفتار بڑھا دی اور ایک مخصوص فاصلہ دے کر اگلی کار کا تعاقب شروع کر دیا۔ دونوں کاروں نے مختلف سڑکیں پار کیں اور پھر دونوں کاریں شہر کی مصروف ترین سڑک پر آگے پیچھے دوڑنے لگیں۔ اچانک آگے جانے والی کار ایک بہت بڑے

میڈیکل سٹور کے سامنے رک گئی۔ اُس میں سے ایک دوہرے بدن کا معمر آدمی باہر نکلا اور سٹور میں داخل ہو گیا کیپٹن شکیل نے بھی اپنی کار فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی کر دی اور اُس آدمی کا سٹور سے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آدمی ہاتھ میں ایک بنڈل اُٹھائے سٹور سے باہر نکلا اور پھر اُس کی کار دوبارہ سڑک پر تیزی سے بھاگنے لگی اب اُس کی کار کا رُخ شہر سے باہر سول لائنز کی طرف تھا جہاں امراء اور افسروں کی شاندار کوٹھیاں تھیں۔ پھر کار ایک بہت بڑی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

کیپٹن شکیل کی کار کوٹھی کے سامنے سے گزرتی چلی گئی، کوٹھی پر کوئی نیم پلیٹ نہیں تھی، کیپٹن شکیل نے کافی آگے جا کر کار کھڑی کر دی اور خود پیدل واپس کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

کوٹھی کا عظیم الشان پھاٹک بند تھا، دیواریں چونکہ کافی بلند تھیں اِس لئے اُن کے اندر دیکھنا ناممکن تھا۔ کیپٹن شکیل نے سوچا کہ کوٹھی کے اندر جا کر دیکھے لیکن ایکسٹو نے صرف تعاقب کرنے کا ہی کہا تھا۔ اِس لئے اُس نے ایک درخت کے نیچے جا کر ایکسٹو کو کال کرنا شروع کر دیا تا کہ اُس سے نئی ہدایات لے سکے لیکن کافی دیر کی کوشش کے باوجود رابطہ قائم نہ ہو سکا اور کیپٹن شکیل نے ایک طویل سانس لے کر ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ اب اُس نے اِرادہ کر لیا تھا کہ کوٹھی کے اندر جا کر معلوم کرے گا چنانچہ وہ تیزی سے چلتا ہوا کوٹھی کی پشت پر پہنچ گیا۔ کہ یہ وہ کوٹھی نہیں تھی جس میں وہ جولیا کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔ آخر پشت کی دیوار میں اُسے مطلوبہ جگہ مل گئی۔

دیوار کے ساتھ ساتھ کوئی مطلوبہ درخت بھی نہیں تھا جس کے ذریعے وہ کوٹھی میں کود جاتا، چنانچہ اُس نے پشت پر گندے پانی کا گٹر دیکھ کر اِس گٹر میں سے اندر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن یہ دیکھ کر اُس کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی کہ گٹر کا سوراخ موٹی جالی سے بند تھا، اُس نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا لیکن کوئی اور صورت نظر نہ آئی۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ اِسی پر زور آزمائی کرے۔ اُس نے زمین پر لیٹ کر سلاخوں سے زور آزمائی شروع کر دی، کافی اندھیرا

پھیل چکا تھا اِس لئے فی الحال دیکھے جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن اِس کے باوجود وہ اپنے گردوپیش سے کافی محتاط نظر آرہا تھا، کافی دیر کی زور آزمائی کے بعد وہ جالی اُکھاڑنے میں کامیاب ہوچکا تھا اِس کے لئے اُسے اپنے جسم کی پوری قوت استعمال کرنی پڑی تھی، پھر وہ سمٹ سمٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ کپڑوں پر دھبے تو پڑ گئے تھے لیکن اُس نے پرواہ نہ کی اور تیزی سے اصل عمارت کی طرف چلا۔ اُس نے پاؤں سے جوتے اُتار کر جیب میں ڈال لئے اور پھر گندے پانی کے پائپ کے ذریعے وہ تیزی سے چھت کی طرف چڑھنے لگا، چند ہی لمحوں بعد وہ چھت پر پڑا زور زور سے سانس لے رہا تھا، اور پھر وہ اُٹھ کر نیچے جانے کا راستہ ڈھونڈنے لگا،

اُسے مشرقی کونے میں سیڑھیاں نظر آ گئیں۔

اُس سے اُتر کر وہ ایک گیلری کی چھت پر جا پہنچا، وہاں کمرے کے روشندانوں کی قطار تھی۔

ایک روشندان میں سے روشنی باہر آتے دیکھ کر وہ احتیاط سے اُس کی طرف بڑھا۔ جیب سے نقاب نکال کر اُس نے منہ پر چڑھا لیا اور پستول ہاتھ میں لے کر وہ روشندان سے اندر جھانکنے لگا۔ اُسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ کمرے میں ایک بہت بڑی میز کے گرد چھ نقاب پوش بیٹھے ہوئے تھے اور اُن کے درمیان ایک ٹیلیویژن نما مشین موجود تھی، وہ سمجھ گیا کہ کہ کوئی ٹرانسمیٹر ہو گا وہ چپکے سے اُن کی حرکات دیکھتا رہا۔

اچانک اُس نے اُن کو چونکتے ہوئے دیکھ کیونکہ مشین کا پردہ روشن ہو گیا تھا اور پھر پردے پر ایک اور نقاب پوش کی تصویر اُبھری۔ وہ شاید کچھ احکام دے رہا تھا، روشندان چونکہ شیشے کا تھا اِس لئے اُن کی آواز اُس تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ اُس نے چاہا کہ روشندان کھول کر ایک جھری بنا لے لیکن روشندان اندر سے بند تھا۔ اُس نے واچ ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن ایک بار پھر ناکام رہا۔ نہ جانے ایکسٹو کہاں چلا گیا تھا۔ وہ دوبارہ اندر کے ماحول کا جائزہ لینے لگا، اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُس پر اُچھل پڑا ہو۔

اُس کے پستول کی نالی شیشے کو لگی اور تڑاخ کی آواز سے شیشہ ٹوٹ گیا۔ وہ تیزی سے پلٹا لیکن یہ دیکھ کر اُس کا دل جل گیا کہ وہ ایک چھوٹی سی چھپکلی تھی، جو دیوار سے نہ جانے کیا سوچ کر

اُس پر اُچھلی تھی۔ اب وہاں رکنا بے کار تھا کیونکہ شیشہ ٹوٹنے سے وہ لوگ چوکنا ہو گئے تھے۔ وہ اُٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بھاگا لیکن آگے دروازہ بند تھا، شاید اُنہوں نے الیکٹرک سسٹم استعمال کیا تھا۔ اب وہ گیلری میں حقیر چوہے کی طرح پھنس چکا تھا، اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے کہ اچانک ہر روشندان سے برین گن کی نالیں باہر نکل آئیں اور پھر گیلری کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور دو نقاب پوش برین گنیں سیدھی کئے سامنے آگئے۔

ہینڈز اپ۔ تم چاروں طرف سے گھِر چکے ہو۔ اپنا پستول نیچے پھینک دو، اُن میں سے ایک نقاب پوش نے گرجدار آواز میں کہا۔

ایک لمحے کے لئے اُس کا دل چاہا کہ اُن میں سے کم از کم ایک کو گولی مار دے لیکن پھر برین گنوں کو دیکھ کر اِرادہ تبدیل کر دیا کیونکہ وہ بڑی آسانی سے چھلنی کیا جا سکتا تھا۔ اُس نے پستول نیچے پھینک کر ہاتھ اُوپر اُٹھا دیئے اور تھوڑی دیر بعد وہ اُن نقاب پوشوں کے آگے چلتا ہوا اُسی کمرے میں آ پہنچا تھا۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے اور اُسے ستون کے پاس کھڑا کر دیا، مشین پر ایک بار پھر روشنی نمودار ہوئی اور غرائی ہوئی آواز نکلی۔

اِسے گرفتار کر لیا گیا ہے؟

جی ہاں۔ اُن میں سے ایک نے مؤدبانہ جواب دیا۔

اچھا۔ میں خود وہیں پہنچ رہا ہوں۔ اِس کی کڑی نگرانی کی جائے۔

وہ یہ سب سُن کر اور بھی چوکنّے ہو گئے، تقریباً آدھے گھنٹے بعد ایک شخص جس نے سر سے پیر تک چست سیاہ لباس پہنا ہوا تھا اور منہ پر ایک سیاہ نقاب تھا جس نے اُس کا منہ اور سر پوری طرح ڈھک رکھا تھا، اُسے اندر آتا دیکھ کر وہ سب اٹن شن ہو گئے۔

وہ پُر وقار انداز میں چلتا ہوا کیپٹن شکیل کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور باقی نقاب پوش برین گنیں لئے اُس کے اِرد گرد کھڑے ہو گئے۔

اِس کا نقاب اُتار دو۔

اُن کے باس نے ایک نقاب پوش کو حکم دیا اور نقاب پوش نے آگے بڑھ کر اِس کی منہ سے نقاب کھینچ لیا۔

کیپٹن شکیل کو دیکھ کر وہ سب چونک پڑے کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ وہ نوجوان تھا جو ایک بار پہلے اِن کی قید سے بھاگ نکلا تھا۔

اوہو۔ تم تو وہی ہو۔ کرسی پر بیٹھے ہوئے اُن کے باس نے کہا لیکن کیپٹن شکیل نے کوئی جواب نہ دیا۔

بتاؤ تم کون ہو؟۔۔۔ اور کس گروہ سے تعلق رکھتے ہو؟

اچانک باس غرایا۔

اُس کی آواز میں سینکڑوں درندوں کی غراہٹ تھی۔

کیپٹن شکیل جیسے مضبوط اعصاب والے کی بجائے کوئی اور شخص ہوتا تو آواز سن کر ہی کانپ جاتا لیکن کیپٹن شکیل پر اُس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ اطمینان سے کھڑا رہا۔

"اچھا۔۔ بتاؤ تمہارا ایکسٹو سے کیا تعلق ہے؟" باس نے دوبارہ پوچھا۔

"کیا میں شوگی پاما سے مخاطب ہوں؟"۔۔۔ کیپٹن شکیل کے ذہن میں اچانک خیال اُبھرا اور اُس نے پوچھ ہی لیا۔

"ہاہا۔۔ ہاں۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم سے شوگی پاما مخاطب ہے، ورنہ سینکڑوں آدمی اُس کی آواز سننے کی خواہش لے کر قبروں میں پہنچ گئے۔

"اب سیدھی طرح میرے سوالوں کا جواب دو۔۔۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ شوگی پاما کسے کہتے ہیں۔۔" شوگی پاما نے دوبارہ کہا۔

"پوچھو۔۔۔" کیپٹن شکیل نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ایکسٹو سے تمہارا کیا تعلق ہے۔۔۔؟"

"میں ایکسٹو کی ٹیم کا ایک رکن ہوں۔۔" کیپٹن شکیل نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تمہارا نام۔۔؟"

"ڈائمنڈ پرنس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔"

" ڈائمنڈ پرنس۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔؟"

"بس شروع ہی سے میں اِس نام سے مشہور ہوں۔"

"ہوں۔۔۔ ایکسٹو کون ہے؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں۔۔۔ مجھے اِس ٹیم میں آئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے ہیں۔۔"

"پہلے کیا کام کرتے تھے۔۔۔؟"

"ایک مقامی فرم میں مینجر تھا۔"

"یہاں کیسے پہنچے۔"

ایکسٹو کی ہدایت پر اِس کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا، پھر اپنے تجسس سے مجبور ہو کر اندر گھس آیا اور نتیجہ ظاہر ہے۔"

"ایکسٹو کو رپورٹ کیسے پہنچاتے ہو۔۔۔؟"

"واچ ٹرانسمیٹر کے ذریعے۔۔ ایکسٹو خود ہی رابطہ قائم کرتا ہے"

اور شوگی پاما کے اِشارے پر ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ سے گھڑی اُتارنی چاہی اور اِسی لمحے کے لئے کیپٹن شکیل نے سارا چکر چلایا تھا کیونکہ ہاتھوں کی رسیاں اِس نے کلائی میں لگے ہوئے بلیڈ کے ذریعے پہلے ہی کاٹ لی تھیں۔ کیپٹن شکیل کے ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا کنگن ہر وقت موجود رہتا تھا، یہ کنگن اُس نے ملٹری کی ایک مہم میں ایک افریقی سے تحفہ کے طور پر لیا تھا۔ کلائی کے ہلکے سے دباؤ سے اِس کنگن کا بالائی حصّہ کھل جاتا تھا اور اِس میں سے ایک انتہائی تیز بلیڈ باہر نکل آتا تھا جس کے ایک ہی وار سے آدمی کو موت کے گھاٹ اُتارا جا سکتا تھا۔

افریقہ کے بومی قبائل کا یہ ایک مخصوص ہتھیار تھا جس سے وہ شیروں کو چشم زدن میں ختم کر دیتے تھے اور اِسی کنگن نے اُس کے ہاتھوں کو رسیوں سے آزاد کر دیا تھا۔

چنانچہ جیسے ہی وہ شخص کیپٹن شکیل کے سامنے آیا، کیپٹن شکیل نے پھُرتی سے اُسے آگے رکھ لیا اور دوسرے ہاتھ کو اُس کی گردن کے گرد لپیٹ لیا، وہ آدمی کافی کسمسایا لیکن کیپٹن شکیل کی گرفت مضبوط تھی۔

"برین گنیں نیچے پھینک دو۔۔ ورنہ میرے بازو کا ایک ہی جھٹکا اِس کی گردن توڑ دے گا"

کیپٹن شکیل کی آواز انتہائی بھیانک تھی۔

تمام نقاب پوش گھبرا گئے، شاید یہ آدمی کافی اچھی پوزیشن کا مالک تھا،

شوگی پاما بھی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا، ایک لمحہ کے لئے شوگی پاما چپ کا کھڑا رہا

"جلدی کرو۔۔ ورنہ۔۔"

کیپٹن شکیل غرایا اور بازو کو ذرا اور دبا دیا۔ اُس آدمی کی آنکھیں باہر نکلنے لگیں۔

اور پھر شوگی پاما کے اِشارے پر نقاب پوشوں نے برین گنیں نیچے پھینک دیں اور پھر اُن میں سے ایک نے دوبارہ برین گن اُٹھانی چاہی، کیپٹن شکیل نے پھُرتی سے اُس آدمی کو دھکا دے کر فرش پر گرا دیا اور اُچھل کر ایک آدمی کے لات ماری، کیپٹن شکیل کی لات کھا کر وہ شخص شوگی پاما پر گرا۔

دوسرا آدمی کیپٹن شکیل کی طرف لپکا لیکن اُس کی کلائی کے ایک ہی جھٹکے نے اُس آدمی کی شہ رگ کاٹ دی اور اُسے ایک چیخ مارنے کی مہلت نہ ملی۔ اب کمرے میں ایک زوردار جنگ چھڑ گئی، وہ تعداد میں پانچ تھے اور کیپٹن شکیل اکیلا کمرے میں ناچتا پھر رہا تھا۔

اور پھر دوسرے آدمی کی گردن بھی آدھی کٹ کر جھول گئی، کیپٹن شکیل کی کوشش تھی کہ وہ کسی شخص کو برین گن نہ اُٹھانے دے اور وہ اب تک اِس میں کامیاب تھا۔ پستول شاید کسی کی

جیب میں نہ تھا اور پھر شوگی پاما کیپٹن شکیل کے داؤ میں آگیا، اُس نے اِس پر بھی کنگن استعمال کرنا چاہا لیکن وہ بے انتہا پھُرتیلا ثابت ہوا۔ اُس کا وار خالی گیا۔

شوگی پاما اُس سے کسی جونک کی طرح لپٹ گیا، اِس اثناء میں باقی نقاب پوش برین گنوں کی طرف لپکے۔

کیپٹن شکیل نے سوچا کہ اب جان بچائی جائے چنانچہ اُس نے شوگی پاما کو اُٹھا کر ایک نقاب پوش پر دے مارا اور خود دروازے پر بھاگا، دروازہ کھلا ہوا تھا وہ تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا اُس کے پیچھے گولیوں کی باڑ دروازے سے ٹکرائی۔

لیکن وہ دروازہ پار کر چکا تھا، اب وہ تیزی سے ایک برآمدے میں ہوتا ہوا کمپاؤنڈ میں پہنچ چکا تھا، بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا، مین گیٹ کی طرف جانے کی بجائے وہ کوٹھی کی پشت کی طرف بھاگا اور چند ہی لمحوں بعد وہ گٹر میں گھس کر باہر نکل چکا تھا اور پھر وہ مختلف سڑکوں پر اندھا دھند بھاگتا ہوا اپنی کار کے پاس پہنچا اور اُس کی کار ایک ہی جھٹکے سے سڑک سے باہر نکل گئی۔

وہ کار کو اندھا دھند چلا رہا تھا، آخر مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا وہ شہر کی ایک بارونق سڑک پر پہنچ گیا، اُس نے بیک مرر سے دیکھا، لیکن تعاقب میں کوئی کار نہ پا کر اطمینان کی سانس لی۔

بہر حال وہ اپنی ذہانت اور فطری دلیری سے ایک خطرناک سچوئشن سے بچ نکلا تھا۔ اب کار کا رُخ اُس کے فلیٹ کی طرف تھا۔

عمران، کیپٹن شکیل اور صفدر تینوں ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری سے کافی فاصلے پر ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ کیپٹن شکیل کی رپورٹ پر ایکسٹو نے سول لائنز کی اُس کوٹھی پر فوری چھاپہ مارا تھا لیکن کوٹھی بالکل سنسان تھی، مجرم اُسے فوری طور پر خالی کر چکے تھے۔ ایکسٹو نے صفدر کو وزارت خارجہ کے دفتر سے فارغ کرادیا تھا کیونکہ اب وہ سمجھ گیا تھا کہ شوگی پاما کا مقصد دراصل ڈاکٹر سے کوئی فارمولا حاصل کرنا ہے۔ لیکن کیا ڈاکٹر جوہر بھی مجرموں کے ساتھ مل گیا ہے؟ کیونکہ کیپٹن شکیل کی رپورٹ سے صاف ظاہر تھا کہ ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری سے کار میں سوار ہو کر اُس کوٹھی تک گیا تھا اور عمران جانتا تھا کہ ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری میں سوائے ڈاکٹر جوہر کے اور کوئی نہیں ہوتا لیکن کیپٹن شکیل کو اُس کوٹھی میں ڈاکٹر جوہر نظر نہیں آیا تھا اور پھر وہاں شوگی پاما بھی آدھ گھنٹہ بعد پہنچا تھا، اِس کا مطلب تھا وہ اُس وقت کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔

دوسری بات یہ سوچی جاسکتی ہے کہ ڈاکٹر جوہر کسی نقاب پوش کے روپ میں موجود تھا تو پھر سارا کیس ہی ختم ہو جاتا تھا کیونکہ پھر شوگی پاما کو اِس فارمولے کے حاصل کرنے میں کیا دیر تھی۔ لیکن شوگی پاما کی اِس ملک میں موجودگی اِس بات کی دلالت کرتی تھی کہ وہ ابھی تک فارمولا حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

عمران کے ذہن میں ایک خلش تھی کہ اصل راز کیا ہے، وہ ڈاکٹر جوہر سے بھی اِس بارے میں نہیں پوچھ سکتا تھا کہ اُس کار میں کون تھا کیونکہ اگر ڈاکٹر جوہر مجرموں سے ملا ہوا تھا تو مجرم یقیناً چونک پڑیں گے کہ لیبارٹری کی نگرانی ہو رہی ہے اور یہ چیز عمران کے خیال میں اِن کے خلاف بھی جاسکتی تھی کیونکہ خدا خدا کر کے تو اُنہیں ایک لائن آف ایکشن ملی تھی اگر وہ بھی ہاتھ سے گنوا بیٹھتے تو پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جاتے اور مجرم اپنا کام کر جاتے۔ اب اُن کا اِرادہ تھا کہ وہ تینوں کسی طرح ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری میں گھس کر اندر کا جائزہ لیں کیونکہ کل والے واقعہ نے ڈاکٹر جوہر کی حیثیت بھی مشکوک بنادی تھی۔

صفدر اور شکیل ایکسٹو کے حکم سے عمران کا ساتھ دینے آئے تھے لیکن اب مسئلہ تھا لیبارٹری میں جانے کا۔ اِس کا کوئی حل کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیونکہ ڈاکٹر جوہر کے علم میں لائے بغیر لیبارٹری کے اندر جانا تقریباً ناممکن تھا۔

اب تم ہی کوئی طریقہ سوچو۔ صفدر نے سوچتے سوچتے اُکتا کر عمران سے کہا اور عمران سر پر ہاتھ پھیرنے لگا، کیپٹن شکیل بھی خاموش تھا، شاید وہ بھی دماغ لڑا رہا تھا۔

تم ہی کچھ بتاؤ کیپٹن۔۔ عمران نے کیپٹن شکیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

کیپٹن شکیل چونک پڑا۔ میرا تو خود دماغ سوچ سوچ کر ماؤف ہو رہا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ۔۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔

آج تمہاری ریڈی میڈ کھوپڑی کیا سو رہی ہے؟

صفدر پھر عمران سے مخاطب ہوا۔ صفدر دراصل عمران کے ذہن سے بیحد مرعوب تھا، کئی مسائل جو بظاہر ناممکن نظر آتے تھے عمران کے ذہن نے چٹکیوں میں حل کر دیئے تھے۔ اِس لئے نفسیاتی طور پر صفدر کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ عمران ہر حالت میں اِس کا کوئی حل نکال لے گا اور عمران کو خاموش دیکھ کر اُس پر اُکتاہٹ طاری ہو رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ عمران جلدی سے کوئی حل سوچے تاکہ اُس کے دماغ کو سکون پہنچے لیکن عمران خود حیران تھا کہ آخر کونسی تدبیر عمل میں لائی جائے۔

عمران نے صفدر کا فقرہ سن کر چونکنے کی اداکاری کی، "مجھ سے کچھ کہا کیا؟"

اور کیا تمہارے فرشتوں سے کہہ رہا ہوں۔

صفدر جل ہی گیا، اُسے عمران کی بے وقت کی ایکٹنگ کبھی کبھی کِھل جاتی تھی۔

ہو سکتا ہے بھائی۔۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

عمران نے مسلسل سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

لیکن تمہاری ریڈی میڈ کھوپڑی کوئی تجویز نہیں سوچ سکتی۔

صفدر نے طنز کی۔

بھئی بات یہ ہے کہ میری کھوپڑی کے سیل ختم ہو گئے ہیں۔ بازار سے انگلش سیل ملتے نہیں ہیں اور دیسی سیلوں سے اپنی کھوپڑی پر اُلٹا اثر پڑتا ہے۔

ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے، کیپٹن شکیل اچانک بولا۔ اور وہ دونوں اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میرے خیال میں اگر ہم میں سے ایک اُس میدان کے پاس جا کر مشکوک حالت میں پھرے تو یقیناً ڈاکٹر جوہر کے علم میں آجائے گا اور جیسے ہی وہ گرفتار کرنے کے لئے دروازہ سے باہر آئے باقی دو بھی چھپ کر اندر چلے جائیں۔

لیکن باقی دو کس طرح اندر جائیں گے؟

صفدر نے سوچتے ہوئے کہا۔

تدبیر تو شاندار ہے، ہاں ارے اب میری ریڈی میڈ کھوپڑی نے بھی کام شروع کر دیا ہے۔

وہ مارا۔۔ بھئی واہ کیپٹن شکیل صاحب! آپ نے میری کھوپڑی میں کرنٹ دوڑا دیا۔ ظالم سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا، اب تو ہر چیز روزِ روشن کی طرح صاف نظر آرہی ہے۔

عمران بولتا ہی چلا گیا۔

کچھ بتاؤ گے بھی یا یوں ہی بے تکی ہانکے جاؤ گے؟

صفدر نے جھنجھلا کر کہا۔

صبر پیارے صفدر صبر! ابھی تو میری کھوپڑی چالو ہونی ہے اور تم ابھی سے گھبرا گئے ہو، نبھا کرنے کے لئے تو ساری عمر پڑی ہے۔ عمران نے آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا۔

اور کیپٹن شکیل نے زوردار قہقہہ لگایا، صفدر بری طرح جھینپ گیا۔

اچھا۔۔ آپ تدبیر بتا رہے ہیں۔

کیپٹن شکیل نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

تدبیر۔ ارے میں تقدیر بتا سکتا ہوں، میں نے دس سال نجوم اور پامسٹری کا مطالعہ کیا ہے اور دو سال پروفیسر علی عمران ماہر نجوم و پامسٹ کی حیثیت سے دکان لگائی ہے۔

عمران کی بکواس دوبارہ چالو ہو گئی، صفدر کو غصّہ آ گیا لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا، عمران سے بازی جیتنا اُس کے بس سے باہر تھا۔

اچھا سنو۔ صفدر تم کار میں بیٹھ جاؤ، ہم دونوں ڈگی میں چھُپ جاتے ہیں، میک اپ میں تو تینوں ہیں اِس لئے پہچانے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو تا، تم کار سے نکل کر اِدھر اُدھر دیکھنا، مختلف مشکوک حرکات کرنا اور جب لیبارٹری کا دروازہ اُبھرنے لگے تو بھاگ کر گاڑی میں بیٹھنا اور پھر کار کو موڑ کر بھاگنے کی کوشش کرنا۔ لیکن خیال رہے کہ خواہ مخواہ ظاہر نہ کرنا۔ڈاکٹر تمہیں اپنے کسی سائنسی طریقے سے گرفتار کرنے کی کوشش کرے گا تو کار بھی ساتھ ہی جائے گی اور اِس طرح ہم دونوں بھی اُس کی نظروں سے محفوظ اندر پہنچ جائیں گے اور پھر بعد میں جو بھی گزرے گی دیکھا جائے گا۔

عمران نے بات بتائی تو صفدر اور کیپٹن شکیل کو اُس کی ریڈی میڈ کھوپڑی پر یقین لانا ہی پڑا۔

بہر حال صفدر، کیپٹن شکیل کی ذہانت کا بھی معترف ہو گیا جس نے اِس تدبیر کے لئے راستہ بتایا تھا، اب وہ تینوں جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑی کار کی طرف بڑھنے لگے۔ صفدر نے اسٹیئرنگ سنبھالا، عمران اور کیپٹن شکیل ڈگی میں گھس گئے، ہوا کے لئے ڈگی میں ذرا سی درز رکھ لی تھی، صفدر نے کار سٹارٹ کر کے جھاڑیوں سے نکالی۔

پھر کار تیزی سے ناہموار میدان کو عبور کر کے مین روڈ پر آ گئی، صفدر نے کار کی رفتار تیز کر دی، اب کار مین روڈ کا چکر کاٹ کر اُس بائی روڈ پر چل پڑی جو سیدھی اُس میدان کی طرف جاتی تھی جہاں ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری تھی۔ کافی آگے جا کر صفدر نے کار روک دی اور خود کار میں سے باہر نکل آیا، پہلے تو غور سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر زمین پر لیٹ کر آگے رینگنے لگا۔ پھر ایک جگہ اُس نے جیب سے چھوٹی سی چیز نکالی اور اُسے زمین پر رکھ کر غور سے دیکھنے لگا۔ پھر جلدی سے اُس کو اُٹھا کر جیب میں ڈالنے لگا اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے آہستہ آہستہ زمین کھودنے

لگا۔ وہ کامیاب ترین ایکٹنگ کر رہا تھا۔ اچانک وہ آہستہ سے چونک پڑا، جب اُس نے لیبارٹری کا دروازہ زمین میں سے اُبھرتا دیکھا، لیکن فوراً ہی لاپروائی سے زمین کھودنے لگا جیسے اُس نے اِس طرف دیکھا ہی نہ ہو۔

پھر جب دروازہ پوری طرح باہر نکل آیا تو وہ یکدم اُچھلا اور کار میں بیٹھنے کے لئے بھاگا، اُس نے کار ابھی سٹارٹ بھی نہ کی تھی کہ یکدم دروزے میں سے ایک فولادی جال اُس پر آپڑا اور کار گھسٹ کر اُس دروازے کی طرف جانے لگی۔ تھوڑی دیر میں کار دروازے کے اندر داخل ہوچکی تھی۔ شکر یہ تھا کہ اُلٹی نہیں تھی، بہر حال جیسے ہی دروازے میں پہنچی پھر خود کار لفٹ کے ذریعے وہ ڈاکٹر جوہر کے ڈرائنگ روم کے سامنے کھڑی تھی۔ اب جال کار پر سے غائب ہو چکا تھا اور ڈاکٹر جوہر کار کے دروازے کی طرف پستول کئے صفدر کو باہر آنے کا اِشارہ کر رہا تھا۔ صفدر چپکے سے باہر نکل آیا۔

ڈاکٹر جوہر نے صفدر کو ہاتھ اُوپر اُٹھانے کے لئے کہا اور خود اُس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اُس کا ریوالور نکال لیا۔ اب وہ صفدر کو ریوالور کی نوک پر مجبور کر کے ڈرائنگ روم میں لے گیا، جیسے ہی صفدر اور ڈاکٹر جوہر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے عمران اور کیپٹن شکیل کار کی ڈگی سے باہر نکل آئے اور احتیاط سے ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے۔ ڈرائنگ روم خالی تھا، شاید ڈاکٹر جوہر صفدر کو آگے لے جاچکا تھا، وہ دونوں آہستہ سے ڈرائنگ روم میں گھس گئے اور عمران نے دوسرے دروازے سے سر نکال کر آگے دیکھا تو ڈاکٹر جوہر صفدر کو لے کر ایک اور راہداری میں مڑ رہا تھا۔

اُس نے کیپٹن شکیل کو اِشارہ کیا اور دونوں دبے پاؤں ڈاکٹر جوہر کے پیچھے چل پڑے، وہ بے حد محتاط تھے کہیں ڈاکٹر اُن کے پاؤں کی چاپ نہ سن لے۔ اِس طرح بنا بنایا کھیل بگڑ بھی سکتا تھا۔ ایک راہداری مڑ کر وہ ایک بہت بڑے ہال میں گھس گئے، یہاں ڈاکٹر جوہر نے صفدر کو ایک شیشے کے بنے ہوئے کیبن میں بند کر دیا تھا اور وہ ابھی مڑ ہی رہا تھا کہ اچانک عمران نے اُچھل کر

ریوالور کا دستہ زور سے اُس کے سر پر دے مارا اور ڈاکٹر جوہر کوئی آواز نکالے بنا ہی فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

ارے بڑا بودا آدمی نکلا۔ یہ تو پہلے ہی وار میں ڈھیر ہو گیا۔ عمران نے اچھلتے ہوئے کہا۔

کیپٹن شکیل نے جھک کر ڈاکٹر جوہر کی نبض دیکھی کہ کہیں واقعی مر تو نہیں گیا، لیکن شکر ہے ڈاکٹر صرف بے ہوش ہی ہوا تھا۔ اب وہ اطمینان سے لیبارٹری کی چھان بین کر سکتے تھے، پھر عمران نے ڈاکٹر کو اُٹھا کر ڈرائنگ روم میں لٹا دیا۔

اُدھر صفدر شیشے کے کیبن میں بند شاید اُنہیں پکار رہا تھا کیونکہ اُس کے ہونٹ ہلتے تو اُنہیں نظر آرہے تھے لیکن آواز نہیں آرہی تھی۔

پیارے صفدر۔۔ اب تم تو یہیں کھڑے رہو، ہم تو چلے۔

عمران نے ہانک لگائی۔

مگر صفدر کے پلے کچھ نہیں پڑا۔

آخر عمران نے صفدر کو آزاد کروانے کے لئے شیشے کے کیبن کو بغور دیکھنا شروع کر دیا لیکن اُس میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ نہ ہی کوئی ایسی چیز نظر آرہی تھی جس سے کیبن کے کھلنے کا جواز پیدا ہو سکتا۔ کیپٹن شکیل اور عمران آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور ٹھونک بجا کر شیشے کو دیکھ رہے تھے لیکن شیشہ بھی بلٹ پروف تھا۔ آخر کیپٹن شکیل کو کونے میں ایک جگہ زرا سی اُبھری ہوئی محسوس ہوئی، اُس نے زور سے دبایا تو ایک ہلکی سی آواز سے کیبن کا ایک شیشہ علیحدہ ہو گیا اور صفدر باہر نکل آیا۔

اب وہ تینوں تیزی سے اُس راہداری کی طرف بڑھے جس کے ایک کمرے سے عمران نے خفیہ راستہ ڈھونڈا تھا، جب وہ اُس کمرے میں پہنچے تو کمرے کا دروازہ ذرا سا بند تھا۔ اُنہوں نے دروازہ کھولا تو کمرہ حسبِ معمول خالی تھا، عمران نے فوراً اُچھل کر روشندان کی مخصوص سلاخ کو کھینچا تو کمرے کی دیوار ہٹ گئی۔

وہ تینوں اُس کمرے میں پہنچ گئے، جیسے ہی وہ اُس کمرے میں پہنچے دیوار دوبارہ اپنی جگہ پر آ گئی۔ اِس کمرے میں اندھیرا تھا، عمران نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور کمرے میں لگے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گیا، پھر بٹن دباتے ہی کمرہ روشنی میں نہا گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں پرانے زمانے کا فرنیچر تھا، فرش پر بھی ایک خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا۔ اِس کمرے کا اور کوئی دروازہ نہیں تھا، کمرے کے قالین پر ہلکی ہلکی گرد جمی ہوئی تھی اور فرنیچر کا بھی یہی حال تھا۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اِس کمرے میں کوئی بھی کافی دنوں سے داخل نہیں ہوا۔ عمران، صفدر اور کیپٹن شکیل حیرانی سے اِس کمرے کو دیکھ رہے تھے کیونکہ اِس میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے یہ پتہ چلتا کہ اِسے خفیہ طور پر بنایا

گیا ہے، اب وہ سوچ رہے تھے کہ شاید اِس میں کوئی اور خفیہ دروازہ ہو گا۔

چنانچہ وہ تینوں دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھنے لگے، لیکن کافی دیر کی محنت کے باوجود بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر عمران کے ذہن میں ایک تجویز آئی، اُس نے کیپٹن شکیل اور صفدر سے کہا کہ یہ صوفہ سیٹ ذرا دیوار سے لگا دیں۔ شاید قالین کے نیچے کوئی خفیہ راستہ ہو۔ چنانچہ سب نے مل کر اُن صوفہ سیٹوں کو ایک طرف لگایا اور جب اُنہوں نے اِس قالین کو ہٹایا تو نیچے لکڑی کا ایک بہت بڑا تختہ فرش میں جڑا ہوا تھا، تھوڑی سی محنت کے بعد وہ تختہ اُٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔ نیچے ایک زینہ تھا، وہ زینہ ایک بہت بڑے ہال میں جا کر ختم ہوا، جہاں ہر طرف الماریاں ہی الماریاں تھیں۔ ایک الماری کو کھولا تو اُس میں فائلیں تھیں۔ عمران نے جب اُن فائلوں کو کھول کر دیکھا تو اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں، کیونکہ اُن میں بیش بہا فارمولے درج تھے جو شاید ڈاکٹر جوہر کا آئندہ پروگرام تھا۔

باقی الماریوں میں سائنسی موضوع پر نادر ترین کتابیں تھیں، شاید ڈاکٹر جوہر کی لائبریری تھی، واقعی ایک سائنسدان کے لئے وہ ایک بیش بہا خزانہ کا درجہ رکھتی تھیں۔ لیکن عمران کو مطلب کی کوئی چیز اُن میں سے برآمد نہ ہو سکی۔ اِس لئے وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے اور پھر پہلے والے طریقے سے دوبارہ راہداری میں پہنچ گئے۔

عمران صاحب! اتنی محنت کا نتیجہ کیا نکلا۔ صفدر نے منہ بنا کر کہا۔

کل کے اخبار میں پڑھنا۔ عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب؟ صفدر اخبار کا نام سن کر چونک پڑا۔

مطلب یہ کہ نتیجے تو اخبار میں ہی نکلا کرتے ہیں نا۔

عمران نے سادہ سا جواب دیا اور صفدر دوبارہ منہ بنا کر رہ گیا۔

اب وہ تینوں راہداری سے گزر کر ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری میں پہنچ گئے، لیبارٹری بہت وسیع و عریض تھی اور بالکل ماڈرن سائنسی آلات سے مزیّن۔ عمران تھوڑی دیر ہر مشین کو دیکھتا رہا اور پھر مایوس ہو کر سر ہلا دیتا۔ صفدر اور کیپٹن شکیل حیرت سے اُسے دیکھ رہے تھے کہ آخر عمران کس چیز کی تلاش میں ہے۔ عمران کافی دیر تک لیبارٹری کے درمیان پڑی ہوئی میز کے پاس رک گیا، جس پر ایک بہت بڑی مشین تھی، عمران کافی دیر تک اُس کو دیکھتا رہا پھر اُس نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔

چلو چلیں۔

اچانک عمران نے مُڑ کر دونوں سے کہا۔

اور وہ تینوں لیبارٹری سے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ڈاکٹر جوہر ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔

اب لیبارٹری سے باہر نکلیں کیسے؟

صفدر نے عمران سے پوچھا۔

قصّہ چہار درویش پڑھا ہے؟

عمران نے صفدر سے پوچھا۔

قصّہ چہار درویش کی یہاں کیا تُک ہے؟

صفدر نے حیرانی سے پوچھا۔

نہیں ہے تو بنا دیں گے۔

عمران نے درویشانہ انداز میں کہا۔

آخر اِس بے تکی ہانکنے سے تمہارا مطلب کیا ہے؟

آج صفدر کچھ زیادہ ہی جھنجھلایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

مطلب یہ کہ جس طرح چہار درویش قبرستان میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو اپنی داستانیں سناتے ہیں اور اُن کی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں کیوں نہ ہم بھی یہی طریقہ اختیار کریں۔ شاید اللہ تعالٰی باہر جانے کی کوئی سبیل بنا دے۔ یا کوئی بزرگ خضر صورت ہمیں راستہ بتا دے۔

عمران بولتا چلا گیا۔

عمران صاحب! خدا کے لئے بور مت کیجیئے۔ ایک تو پہلے ہی خواہ مخواہ پریشانی اُٹھانی پڑی ہے اور اوپر سے آپ کی باتیں سن کر کان پک گئے ہیں۔

صفدر نے عمران کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

شکر کرو صفدر ابھی کان پکے ہیں کہیں ناک نہیں پکی۔ نہیں تو ہوا گرم ہو کر تمہارے اندر پہنچتی اور تم بھی عاشقوں کی طرح سینہ چاک کئے صحرا میں پھرتے نظر آتے۔

عمران نے پھر صفدر کو گھسیٹنا شروع کر دیا۔

عمران صاحب! میرے خیال میں باہر نکلنے کی کوئی ترکیب نکالنی چاہیئے۔ آخر کیپٹن شکیل کو دخل اندازی کرنی پڑی۔

یار کیا ضرورت ہے۔

یہاں بھی اللہ روزی دے ہی دے گا۔ خواہ مخواہ باہر جا کر ایکسٹو کے حکم سے بھاگ دوڑ کرتے پھریں۔

عمران نے شکیل کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا مگر کیپٹن شکیل عمران کی باتیں سن کر ہنس پڑا۔

اچھا۔ تم یہیں ٹھہرو میں ذرا لیبارٹری کا چکر لگا آؤں۔

عمران نے مڑتے ہوئے کہا۔

اب لیبارٹری میں کیا کریں گے؟

صفدر چپ کا نہ رہ سکا۔

چلہ کھینچوں گا تاکہ کالا جن آکر ہمیں یہاں سے نجات دلائے۔

یہ کہہ کر عمران لیبارٹری میں گھس گیا، وہ پہلے ہی چیک کر چکا تھا کہ کون سی مشین کے ذریعے لیبارٹری کا دروازہ کھلتا ہے اور بند ہوتا ہے۔ یہ مشین کلاک سسٹم کی طرح بنائی گئی تھی اِس مشین پر وقت کا الارم لگا دیا جاتا اور اُس ٹائم پر دروازہ کھل جاتا یا بند ہو جاتا۔ اِس سے یہ سہولت تھی کہ ڈاکٹر کو اگر کبھی باہر جانا ہوتا تو وہ مشین کو مخصوص طریقے سے مخصوص وقت پر سیٹ کر دیتا اور اِس طرح ڈاکٹر آٹومیٹک طریقے سے اندر باہر آجا سکتا تھا۔

عمران نے پانچ منٹ کا الارم لگا کر مشین آپریٹ کر دی اور پھر لپکتا ہوا ڈرائنگ روم میں چلا آیا اور پھر تھوڑی دیر بعد اُن کی کار لیبارٹری سے باہر مین روڈ پر دوڑ رہی تھی۔

آج جوزف کا موڈ صبح سے ہی خراب تھا کیونکہ آج زندگی میں پہلی بار اُسے شراب سے نفرت ہو گئی تھی، حالانکہ اب تک وہ اپنے حلقے میں شراب نوشی کے سلسلے میں مثال سمجھا جاتا رہا تھا۔ سارا دن وہ شراب پیتا رہتا تھا اور اگر اُس کا بس چلتا تو رات کو نیند میں بھی شراب پیتا رہتا۔ اگر کبھی ایسا موقع آجاتا کہ اُسے چند گھنٹے کے لئے شراب نہ ملتی تو وہ کیچوے سے بھی بدتر ہو کر رہ

جاتا، اُسے حیرت تھی کہ لوگ شراب کے بغیر کیسے رہتے ہیں۔ شراب اب اُس کی زندگی بن کر رہ گئی تھی، یہ اور بات ہے کہ سارادن لگاتار شراب پینے کے باوجود اُسے نشہ نہیں ہوتا تھا۔

لیکن آج اُس کی طبیعت شراب پینے کو نہیں چاہ رہی تھی، عموماً انسان جس چیز کا استعمال بے انتہا کثرت سے کرے تو چند لمحے ایسے بھی آتے ہیں جب اُسے اُس سے نفرت ہو جاتی ہے اور یہی آج جوزف کے ساتھ بھی ہوا۔ اُس نے صبح اُٹھتے ہی شراب کا پیگ بنا کر حسب معمول پینا چاہا لیکن جیسے ہی شراب کا پیگ منہ کے نزدیک آیا اُس کی طبیعت بدل گئی اُس نے شراب کا پیگ واپس رکھ دیا، اُسے ایسا لگا جیسے وہ آج تک غلط کام کرتا چلا آیا ہے۔

شراب تو اُس نے نہیں پی لیکن طبیعت پر نامعلوم سی اُداسی چھا گئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر وجہ کیا ہے، خواہ مخواہ طبیعت گھٹتی جارہی تھی۔ اُس نے سوچا شاید ایسا شراب نہ پینے کی وجہ سے ہو، اِس لئے اُس نے طبیعت پر جبر کر کے ایک پیگ اپنے اندر انڈیل لیا۔

آخر اُس نے سوچا کہ آج شہر کی سیر کی جائے کافی عرصہ ہو گیا وہ شہر ہی نہیں جاسکا تھا کیونکہ رانا پیلس کی چوکیداری اُس کی سپرد تھی۔ جب تک طاہر (بلیک زیرو) پیلس میں موجود رہتا وہ بڑی مستعدی سے پہرہ دیتا لیکن جب طاہر کوٹھی سے غائب ہوتا تو وہ بس سارا دن شراب ہی پیتا رہتا۔

آج کل طاہر کہیں غائب تھا اِس لئے اُس نے شہر کی سیر کرنے کی ٹھانی، اُس نے نیا خوبصورت سوٹ جو اُسے پچھلی کرسمس پر عمران نے بنوا کر دیا تھا الماری سے نکالا، اُسے پہنا، دونوں ریوالور پینٹ کی سائیڈوں پر لگائے اور کوٹھی کو تالا لگا کر باہر نکل آیا۔

سوٹ اُس پر بہت جچ رہا تھا، شاندار کسرتی جسم، بلند و بالا قد اور مضبوط ہاتھ پاؤں ہونے کی وجہ سے وہ جسمانی طور پر بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ پھر دونوں سائیڈوں پر لگے ہوئے ریوالوروں نے اُس کی وجاہت میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ وہ پیدل سیر کرتا ہوا دارالحکومت کی مصروف ترین سڑک پر نکل آیا۔ لوگوں کا ایک جم غفیر ہر طرف رواں دواں تھا، کاریں، سائیکلیں اور موٹر سائیکلیں سڑک پر تیزی سے دوڑ رہی تھیں، یہ نظارہ جوزف کے لئے اچھا اور دلچسپ

ثابت ہوا اور آہستہ آہستہ اُس کی طبیعت پر چھائی ہوئی اُداسی دُور ہونے لگی اور وہ اپنے آپ کو چاک و چوبند محسوس کرنے لگا۔ زندگی کی بھرپور روانی نے اُس کی طبیعت پر اچھا اثر ڈالا تھا، وہ دلچسپی سے چاروں طرف دیکھتا ہوا ایک سڑک پر نکل آیا۔ جہاں کچھ سکون تھا کیونکہ یہ علاقہ مین روڈ سے ہٹ کر تھا۔ اِس سڑک پر اُسے چند ایک اچھے ہوٹل نظر آئے، اُس نے ایک ہوٹل کی وسیع و عریض عمارت پر نظر ڈالی اور کچھ سوچ کر اندر داخل ہو گیا۔ دربان اُس کی وجاہت دیکھ کر بہت مرعوب ہوا، اُس نے جھٹ دروازہ کھول کر سلام کیا۔

جوزف دل میں ایک فخر کا احساس لئے اندر داخل ہوا، ہوٹل کے ہال میں بیٹھے ہوئے جن لوگوں نے بھی اُس پر نظر ڈالی وہ اُس کی وجاہت سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ عورتوں کی نظروں میں اُس کے لئے خاص طور پر پسندیدگی کے آثار اُبھر آئے۔ لیکن جوزف سب سے بے نیاز کونے میں رکھی ہوئی ایک خالی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا، اُس نے ایک کرسی ذرا کھسکائی اور پھر مین گیٹ کی طرف رُخ کر کے بیٹھ گیا۔ اُس کے بیٹھتے ہی ایک ویٹرس اُس کی طرف لپکی۔

آپ کے لئے کیا حاضر کروں۔

خوبصورت ویٹرس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

جوزف اُس کی شکل دیکھتے ہی بھڑک اُٹھا، اُسے عورتوں اور بالخصوص خوبصورت عورتوں سے خدا واسطے کا بیر تھا، اُس کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ دنیا سے عورتوں کا وجود ہی ختم کر دیتا، اُس نے ہاتھ اُٹھا کر ویٹرس سے کہا۔

جاؤ کسی مرد کو بھیجو۔

مرد؟؟

ویٹرس نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ ہاں مرد۔ میں کوئی یونانی نہیں بول رہا ہوں جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی، خواہ مخواہ نخرے کرنے سے فائدہ؟

جوزف کا موڈ پھر آف ہونے لگا۔

لیکن مرد نامی کوئی چیز ہوٹل میں نہیں بکتی۔

ویٹرس شاید جوزف کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔

تو کیا میں تمہیں خرید و فروخت کے لئے کہہ رہا ہوں؟

جوزف ہتھے سے ہی اُکھڑ گیا۔

جی۔ جی۔

ویٹرس گھبرا گئی۔

ہنگامہ ہوتے دیکھ کر سب لوگ اِس طرف متوجہ ہو گئے، پھر مینجر بھی پہنچ گیا۔

کیا بات ہے ڈولی؟

مینجر نے ویٹرس سے پوچھا۔

یہ صاحب کہہ رہے ہیں مجھے مرد چاہیئے۔

ویٹرس نے پریشان لہجے میں مینجر سے حقیقت بیان کی۔

کیا مطلب؟

مینجر کے ساتھ دوسرے لوگ بھی حیرانی سے جوزف کو دیکھنے لگے۔

اب آپ بھی مطلب پوچھنے آئے ہیں۔ یہ ہوٹل ہے یا بھٹیار خانہ؟

جوزف نے مینجر کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

مسٹر تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ تمیز سے بات کرو۔

پھر کیا تھا، جوزف کی رگ باکسنگ پھڑک اُٹھی۔ ایک زوردار مکہ مینجر کے منہ پر پڑا اور مینجر اچھل کر دو فٹ کے فاصلے پر پڑا۔ سب جمع شدہ لوگ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ جوزف کے ایک ہی مکے نے مینجر کے منہ سے خون نکال دیا، لیکن مینجر بھی اچھے تن و توش کا آدمی تھا۔ وہ جھپٹ کر اُٹھا اور جھٹکے سے ایک کرسی اُٹھا کر جوزف کی سر پر دے ماری۔ جوزف نے ڈاج دینے کی کوشش کی لیکن کرسی پھینکی ہی اِس زاویے سے گئی تھی کہ جوزف کے بچتے بچتے بھی وہ اُس کے سر سے ٹکرا گئی۔ جوزف کے ماتھے سے خون اُبل پڑا، زخم حالانکہ معمولی نوعیت کا تھا لیکن اُس میں سے خون چشمے کی طرح اُبل رہا تھا، شاید کوئی رگ کٹ گئی تھی۔

جوزف کا منہ خون سے بھر گیا، پھر تو جوزف پر خون سوار ہو گیا، اُس نے لپک کر مینجر کا گریبان پکڑ لیا اور پھر ایک ہی جھٹکے میں مینجر کو سر سے اُوپر اُٹھا لیا اور پھر ایک زور دار آواز سے مینجر دو میزوں کے اوپر سے ہوتا ہوا فرش پر آ رہا۔ جوزف نے ایک ہی ہاتھ سے درمیان کی میزیں اُلٹ دیں اور مینجر کی اُٹھنے سے پہلے ہی اُس پر چھلانگ لگا دی اور زمین پر پڑے ہوئے مینجر پر دو تین مکے پڑے۔ جوزف غصّے میں پاگل ہو رہا تھا۔ ہال میں بھگدڑ مچ گئی تھی، لوگ شور مچا رہے تھے، کوئی چیخ رہا تھا کہ پولیس کو فون کرو، کوئی کچھ کہہ رہا تھا لیکن کسی کو ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ جوزف کو آ پکڑے، اچانک اُن میں سے ایک آواز گونجی۔

ارے ہائیں ہائیں! یہ کیا عورتوں کی طرح لڑ رہا ہے۔

سب ہی اِس آواز کی طرف متوجہ ہو گئے، لیکن جوزف پر اِس آواز کا شدید ردِ عمل ہوا، کیونکہ وہ عمران کی آواز ہزاروں میں سے پہچان سکتا تھا، وہ فوراً مینجر کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے سارے چہرے پر خون پھیلا ہوا تھا، خون کی چادر کے نیچے اُس کی غصّے سے سرخ آنکھیں بُری طرح چمک رہی تھیں۔

ارے جوزف تم؟

عمران اِس حالت میں جوزف کو سامنے کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا، اُس نے ایک نظر نیچے پڑے ہوئے مینجر کی طرف دیکھا، جو فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔

باس۔۔اِس نے میرے سر پر کرسی دے ماری تھی۔

جوزف نے عمران کو بتایا۔

چلو منہ دھوئ۔

عمران نے جوزف کو حکم دیا اور مینجر کو فرش سے اُٹھا کر میز پر ڈال دیا، اتنے میں پولیس پولیس کا شور اُٹھا۔

اور پھر ایک سب انسپکٹر دس پندرہ سپاہیوں کے ساتھ دندناتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔ سب انسپکٹر نے ایک نظر سارے ہال پر ڈالی اور پھر تیر کی طرح اُس طرف آیا جہاں میز پر مینجر بے ہوش پڑا تھا اور عمران اُس کی نبض ہاتھ میں پکڑے ایسے نظر آرہا تھا جیسے ڈاکٹر کسی مریض کا معائنہ کر رہا ہو۔

کیا بات ہے مسٹر؟ سب انسپکٹر نے عمران کو تلخی سے کہا۔ شاید وہ عمران سے واقف نہیں تھا۔

میں نے سمجھا یہ مر گیا ہو گا۔ مگر یہ تو صرف بے ہوش ہے۔

عمران نے مضحکہ خیز منہ بناتے ہوئے کہا۔

تم نے مارا ہے اِسے؟

سب انسپکٹر نے ایک ہونٹ چباتے ہوئے ایک نظر مینجر پر ڈالی۔

ارے اگر میرا ہاتھ لگ جاتا تو یہ زندہ نہ رہ جاتا۔

عمران نے پہلوانوں کی طرح اپنے بازو کو تھپکتے ہوئے کہا۔

اِسے گرفتار کر لو۔

سب انسپکٹر نے ایک سپاہی کی طرف مڑ کر کہا۔

لیکن کس خوشی میں؟

عمران نے ایسے پوچھا جیسے کسی کو غیر متوقع انعام مل رہا ہو۔

یہ سب کچھ تھانے جا کر بتاؤں گا۔

سب انسپکٹر نے جواب دیا اور ایک سپاہی کی طرف مڑ کر کہا، فوراً ایمبولینس کو فون کرو، اِس کی حالت خراب ہے۔

خبر دار۔ آگے بڑھے۔ عمران نے سپاہی کو ہتھکڑی لئے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر کہا۔

انسپکٹر صاحب! مارنے والے یہ نہیں تھے۔

ایک آدمی نے مداخلت کرتے ہوئے انسپکٹر کی توجہ جوزف کی طرف دلائی جو واش بیسن سے منہ دھو کر اِسی طرف آ رہا تھا۔

سب انسپکٹر جھٹکے سے جوزف کی طرف بڑھ گیا۔

تم نے اِسے کیوں مارا؟

سب انسپکٹر انتہائی درشت لہجے میں کہا۔

میری مرضی۔

جوزف نے لاپروائی سے جواب دیا، وہ عمران کو وہاں پا کر لاپرواہ ہو گیا تھا۔

اِسے گرفتار کر لو۔

سب انسپکٹر نے دو سپاہیوں کو حکم دیا اور دونوں سپاہی جوزف کی طرف بڑھے۔

انسپکٹر صاحب! آپ مجھے جانتے ہیں؟

عمران نے صورتِ حال بگڑتے دیکھ کر سب انسپکٹر کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

تم کون سے گورنر لگے ہوئے ہو۔

تم نے ابھی تک اِسے گرفتار نہیں کیا۔۔

سب انسپکٹر نے سپاہی پر بگڑتے ہوئے کہا جو شاید شش و پنج میں کھڑا تھا۔

عمران نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا کارڈ نکالا اور سب انسپکٹر کے سامنے کر دیا۔ سب انسپکٹر نے لاپروائی سے اُس پر نظر ڈالی لیکن پھر چونک پڑا۔

اُس کا رنگ فق ہو گیا اور اُس نے فوراً اٹن شن ہو کر عمران کو سیلوٹ مار دیا۔ سپاہیوں نے بھی جب اپنے افسر کو اِس حالت میں دیکھا تو اُن کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں چھوٹ کر نیچے گر پڑیں اور اُنہوں نے بھی جھٹ سے سیلوٹ مار دیا۔ لوگ حیرت سے عمران کو دیکھنے لگے۔

کوئی بات نہیں انسپکٹر جاؤ تم۔ اِس زخمی نے میرے آدمی پر کرسی ماری تھی۔

بہتر سر۔

انسپکٹر نے جھٹ سے ایک اور سیلوٹ دے مارا، وہ عمران سے بے حد مرعوب معلوم ہوتا تھا کیونکہ عمران کے کارڈ پر صرف ایک سرخ رنگ کا دائرہ بنا ہوا تھا جو سی آئی ڈی کے اعلیٰ آفیسر کا مخصوص نشان تھا۔ ایسے بہت سے کارڈ عمران کی جیب میں پڑے رہتے تھے۔

چلو جوزف چلیں۔

عمران نے جوزف کو اِشارہ کیا اور خود مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا، جوزف بھی اکڑتا ہوا عمران کے پیچھے چل پڑا۔ اِس طرح وہ دونوں ہال سے باہر نکل آئے، یہاں عمران کی ٹو سیٹر کھڑی تھی۔ عمران اور جوزف اِس میں بیٹھ گئے اور کار آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل آئی۔

اب بتاؤ کیا بات تھی۔

عمران نے جوزف سے مخاطب ہو کر کہا۔

باس۔ صبح سے میں نے شراب نہیں پی۔

جوزف نے جواب دیا، کیونکہ اب اُسے شدت سے شراب کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔

ارے او شب تار کے بچے۔ میں تجھ سے کیا پوچھ رہا ہوں اور تو اپنی ہی ہانک رہا ہے۔

عمران نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

باس میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے آج صبح سے شراب نہیں پی۔

جوزف پھر اسی لہجہ میں بولا۔

نہیں۔ میں نہیں مان سکتا۔

عمران سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جوزف نے صبح سے شراب نہیں پی ہو گی کیونکہ اِس کے علم کے مطابق جوزف اب تک چھ بوتلیں پی چکا ہو گا۔

باس میں سچ کہہ رہا ہوں۔

جوزف نے فدویانہ انداز میں کہا۔

کیوں؟ کیا شراب کا ذخیرہ ختم ہو گیا؟

عمران پر حیرت کا مزید دورہ پڑا۔

نہیں باس۔ بس دل نہیں چاہا۔

اور پھر جوزف نے عمران کو ساری تفصیل بتادی۔

اب پینے کو دل چاہتا ہے؟

عمران نے پوچھا۔

باس اب دل چاہتا ہے کہ شراب کا پورا ڈرم پی جاؤں۔

ارے مر گیا۔ میں یہ سوچ کر خوش ہو گیا کہ چلو تم آدمی بن گئے ہو، میں اِس خوشی میں جی بھر کر خوشیاں مناؤں گا مگر تم تو میرا بیڑہ غرق کرنے پر تلے بیٹھے ہو۔

جوزف چپکا ہو رہا۔ وہ جواب بھی کیا دیتا اتنی دیر میں کار رانا پیلس پہنچ چکی تھی۔ عمران نے اُسے نیچے اُتارا۔

چلو اب اندر بھاگ جاؤ اور آئندہ میری اجازت کے بغیر رانا پیلس کو تالا لگا کر کہیں نہیں جانا۔

یہ کہہ کر عمران نے ٹوسیٹر واپس موڑی اور جوزف شانے اُچکا کر کوٹھی کا پھاٹک کھولنے لگا۔
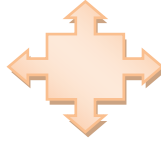
آج صبح غیر معمولی طور پر کہر آلود تھی، سارے شہر پر دبیز کہر کی ایک چادر تنی ہوئی تھی۔ دھند اِس قدر زیادہ تھی کہ ایک فٹ کے فاصلے سے بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، دھند کی وجہ سے سردی بھی معمول سے زیادہ تھی۔ مزدور اور ملازمت پیشہ لوگ تو دھند میں بھی کسی نہ کسی طرح اپنے اپنے دفتروں اور کاموں میں جا رہے تھے اور امیر لوگ سوچ رہے تھے کہ کہر چھٹے تو وہ بھی اپنے اپنے کاموں پر جائیں۔

لیکن دھند کم ہونے کی بجائے لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی جو لوگ گھر سے باہر نکل چکے تھے وہ راستہ بھول کر دھند میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے، اب وہ لوگ نہ گھر کے رہے تھے نہ گھاٹ کے۔ نہ واپس گھر جاسکتے تھے نہ دفتروں میں۔

دھند میں کسی نہ کسی کار کی ہیڈلائٹس چمک رہی تھیں لیکن اُن کی چمک بھی لائٹر کے شعلے سے زیادہ نہیں تھی۔ تھوڑی دیر تک لوگ دھند کے چھٹنے کا انتظار کرتے رہے پھر اُن میں بے چینی پھیل گئی کیونکہ دھند کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی، لوگوں نے گھروں کی بتیاں جلادیں تھیں۔

محکمہ موسمیات کے دفتر میں گھنٹیاں بج رہی تھیں، لوگ دھند کے بارے میں پوچھ رہے تھے، لیکن وہ اُنہیں کیا بتاتے کیونکہ اُنہیں خود اِس کی وجہ معلوم نہیں تھی۔ اُن کے آلات کے مطابق دھند کی کوئی وجہ نہ تھی، اِس لئے وہ بھی کچھ بتانے سے معذور تھے۔

لوگوں کی بے چینی بڑھتے بڑھتے اضطراب میں تبدیل ہوگئی کیونکہ اب یہ دھند مختلف راستوں سے گھروں میں داخل ہونے لگی تھی۔ لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ دھند کو گھروں میں داخل

ہونے سے روک سکیں لیکن وہ کس کس سوراخ کو بند کرتے، چھوٹے سے چھوٹے سوراخ سے بھی دھند اندر گھس رہی تھی۔

پھر اچانک شہر میں لگے ہوئے تمام سائرن زوردار آوازوں سے بجنے لگے، یہ خطرہ کے سائرن تھے، شاید حکام نے کسی ممکنہ خطرے سے بچنے کے لئے اِنہیں بجایا تھا کیونکہ اب حکام کو بھی اِس دھند کے غیر معمولی ہونے کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ سائرن بجنے سے پہلے شہر میں پھر بھی کچھ سکون تھا لیکن سائرن کے بجتے ہی ہر جگہ شور مچ گیا، ہر شخص اپنے اپنے کمروں میں دبکا مختلف آراء قائم کر رہا تھا۔ کوئی کہتا کہ شاید ہوائی حملہ ہو گیا ہے اور کوئی اِسے کسی سر پھرے سائنسدان کا تجربہ بتاتا، غرضیکہ جتنے منہ اُتنی باتیں تھیں۔

پھر اِس شور میں اور بھی اضافہ ہو گیا جب لوگوں نے اِس دھند کا رنگ بدلتے دیکھا، سفید دھند آہستہ آہستہ سرخ رنگ میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اِس کا رنگ گہرا سرخ ہو گیا اور اب لوگوں کے چاروں طرف سرخی ہی سرخی تھی، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سارا دارالحکومت خون کے سرخ سمندر میں ڈوب گیا ہو۔

توہم پرست اور کمزور عقیدے کے لوگوں نے اِسے خدا کا عذاب سمجھا اور وہ خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالٰی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگے، اب دھند کا رنگ اتنا سرخ ہو گیا تھا کہ لوگوں کے لئے اِس کا دیکھنا ناممکن ہو چکا تھا۔ لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کرنی چاہیں لیکن کب تک؟

آہستہ آہستہ اُن کی آنکھوں میں بھی سرخی چھا گئی اور پھر یہ سرخی سیاہی میں تبدیل ہو گئی، لوگوں نے سمجھا کہ شاید اب اِس کا رنگ سیاہ ہو چکا ہے، درحقیقت وہ اندھے ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دھند غائب ہونی شروع ہو گئی اور پھر سورج کی شعاعوں سے سارا شہر منور ہو گیا۔ لیکن لوگوں کی نظروں کے سامنے اب بھی اندھیرا تھا اور وہ اندھوں کی طرح اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔

آہستہ آہستہ اُن کی آنکھوں سے سیاہی دُور ہونے لگی اور پھر تقریباً دو گھنٹے بعد لوگ پوری طرح دیکھنے کے قابل ہو گئے تھے، اب ہر چیز پہلے کی طرح روشن تھی۔ لوگ مختلف چہ میگوئیاں کرتے ہوئے گھروں سے نکل آئے۔ شہر میں طرح طرح کی افواہیں اُڑنے لگیں، کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بات ہے کیا۔ پھر سڑکوں پر پولیس کی گاڑیاں لاؤڈ سپیکر لگائے نکل آئیں اور لوگوں کو اپنے اپنے کاموں پر جانے کی تلقین کرنے لگیں لیکن لوگ اِس بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہو رہے تھے، روشنی واپس آنے کے ایک گھنٹہ بعد شہر کا نظام پوری طرح جاری ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اخباروں کے خاص ضمیمے شہر کی گلی کوچوں میں پھیل گئے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو دھند کے بارے میں بتانے لگے۔ لوگ دھند کے ساتھ ساتھ یہ پڑھ کر بھی حیران ہو گئے کہ اِس دھند کے دوران دارالحکومت کے آٹھ بڑے بنک لٹ چکے تھے، ہزاروں گاڑیاں سڑکوں پر اُلٹی کھڑی تھیں، کئی لوگ ٹکرا کر مر چکے تھے۔ سب سے حیرت کی بات یہ تھی کہ شہر کے مرکزی ٹاؤن پر لگا ہوا بڑا کلاک بھی غائب تھا۔

دارالحکومت کے ڈپٹی کمشنر اور تین چار اور بڑے حکام جن میں پولیس کے اعلٰی حکام بھی شامل تھے اپنے اپنے گھروں میں مُردہ پائے گئے، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اُن کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو۔ اِن خبروں سے شہر میں ہر طرف شور مچ گیا، اب افواہوں کا رُخ مجرموں کی سرگرمیوں کی طرف ہو گیا تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے اندازے کے مطابق باتیں بنا رہا تھا۔

شہر میں ایک بار پھر ابتری پھیلنے لگی جب دوبارہ ہوا دھند میں تبدیل ہونے لگی، دھند کا کوئی منبع نظر نہیں آرہا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہوا دوبارہ دھند کا روپ دھار رہی ہو۔ لوگ افراتفری میں بے تحاشہ اپنے گھروں کو بھاگنے لگے۔ یہ افراتفری اتنی بڑھی کہ سینکڑوں لوگ ایک دوسرے کے نیچے کچلے گئے، ہزاروں چھوٹے بڑے حادثے ہو گئے تمام شہر ابتر ہو گیا۔

ہر طرف ایسی چیخ و پکار مچی کہ الاماں، میدان حشر کا سماں معلوم ہوتا تھا۔ چند ہی منٹوں میں پھر دبیز دھند ہونے لگی۔ آہستہ آہستہ اِس دھند میں سبزی چھانے لگی اور پھر تھوڑی دیر بعد

ہر طرف گہرا سبز رنگ چھا گیا۔ لوگ ابھی چیخ وپکار کر رہے تھے لیکن اب آہستہ آہستہ اُن کا شور مدھم ہوتا جا رہا تھا کیونکہ جیسے ہی اُن کے منہ کھلتے دھند اُن کے منہ میں گھس جاتی اور ایسا محسوس ہوتا جیسے اُن کے منہ میں مرچیں لگ گئی ہوں اور پھر اُن پر کھانسی کا دورہ پڑ جاتا اور لوگ کھانستے کھانستے پاگل ہو گئے۔ کھانسی کی شدت سے اُن کی آنکھوں میں پانی بہنے لگا اور پھر دم گھٹنے لگا، آخر لوگ کھانستے کھانستے بے دم ہو کر گرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد شہر پر غیر معمولی سکون چھا گیا، شاید لوگ کھانسی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے، تقریباً دو گھنٹے تک یہی حالت رہی اور پھر دھند پہلے کی طرح غائب ہو گئی اور آہستہ آہستہ سکون شور میں تبدیل ہونے لگا۔ لوگوں کو ہوش آ رہا تھا، دوسری دھند سے وہ ابتری پھیلی کہ الاماں۔ مشکل سے ہی کوئی خوش قسمت گھر ایسا ہو گا جس کے تمام آدمی بچ گئے ہوں، نہیں تو اُن کا کوئی نہ کوئی فرد زخمی ضرور ہو گیا تھا۔ ہر طرف سے نالہ وشیون کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ زندگی معمول پر آ گئی۔

لیکن اِس بے چینی اور اضطراب کو کیا کہیئے جس نے ہر شخص کے دل میں ڈیرہ ڈال لیا تھا کہ نجانے کب کیا ہو، بہر حال اب مطلع صاف تھا اور حالات تقریباً معمول پر آ چکے تھے۔

دانش منزل کے میٹنگ ہال میں اِس وقت سیکرٹ سروس کے تمام ارکان موجود تھے، عمران ابھی تک نہیں آیا تھا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے سب لوگ سنجیدہ اور خاموش تھے۔ آج صبح شہر پر جو کچھ گزری تھی اُس

نے اِن کو کافی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ سب کسی حد تک پریشان تھے لیکن اِن میں ایک شخصیت ایسی بھی تھی جس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا البتہ اُس کی آنکھوں میں پریشانی کی جھلکیاں موجود تھیں۔ وہ تھا کیپٹن شکیل۔

اچانک وہ سب چونک پڑے جب عمران نے دروازے سے داخل ہوتے ہی سلام کے نعرہ مارا۔

"کیوں۔۔۔ کیا کسی مُردے کو دفن کر کے آئے ہو یا جمعہ کی نماز پڑھ رہے ہو؟"

عمران نے باری باری سب کے چہروں کو دیکھا۔

لیکن وہ سب بدستور خاموش تھے، کسی نے بھی عمران کے مذاق کا جواب نہیں دیا، عمران ایک لمحے کے لئے جھینپ گیا لیکن پھر اُس کے چہرے پر بھی لاپروائی چھا گئی۔

"کچھ بتاؤ بھی سہی تا کہ میں بھی فاتحہ پڑھ سکوں۔"

عمران نے ڈھیٹ بنتے ہوئے کہا۔

"ہر وقت کا مذاق اچھا نہیں ہوتا۔"

جولیا نے تلخی سے کہا۔

"اری۔۔ تیرا میرا کون سا مذاق کا رشتہ ہے؟"

عمران نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اور جولیا نا جانے کیا سوچ کر چپ ہو گئی۔ پھر عمران بھی منہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔

لیکن کب تک۔۔۔ اُس کی زبان پر پھر کھجلی اُٹھی۔

"آج خلیفہ تنویر خاموش ہے۔"

عمران نے چہرے پر حیرت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو۔"

تنویر نے نفرت سے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

"ارے ہائے ہائے۔۔۔ کیا منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔"

عمران نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

لیکن پھر خاموشی چھا گئی۔

"ہیلو ممبرز"

ٹرانسمیٹر سے ایکسٹو کی آواز اُبھری۔

یس سر۔۔!

جولیا نے ٹرانسمیٹر کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

سب ممبرز موجود ہیں جولیا؟

جی ہاں۔۔

جولیا نے مؤدبانہ جواب دیا۔

" میں نے آپ سب کو اِس لئے یہاں جمع کیا ہے کہ آج کے حالات سب کے سامنے ہیں، شہر میں جس طرح افراتفری اور ابتری پھیلی ہوئی ہے وہ سب جانتے ہیں اِس لئے ہمارا اب یہ سرکاری فرض کے علاوہ قومی اور اخلاقی فرض بھی ہے کہ ہم سب مل کر عوام کو اِس عذاب سے نجات دلائیں۔ میں اِس سلسلے میں ایک بہت بڑے خطرے کی بُو پا رہا ہوں اور بظاہر منظم حرکتیں کوئی بہت بڑا مجرم ہی کر سکتا ہے اِس لئے ہم سب کو تن من دھن کی بازی اِس مہم پر لگانی پڑے گی، ہو سکتا ہے کہ جب اِس عذاب سے نجات پائیں تو ہم میں سے کچھ افراد کم ہو چکے ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ سب کسی بھی حالت میں پیچھے نہیں ہٹیں گے۔"

"ہمیں خوشی ہے کہ آپ ہم سب سے ایسی اُمید رکھتے ہیں۔"

جولیا نے سب کی طرف سے جواب دیا۔

اچھا اب آپ آئندہ پروگرام سُن لیں۔

ایکسٹو کی آواز دوبارہ گونجی۔

میں نے جہاں تک غور کیا ہے اِس دھند کا مرکز ہمارے دارالحکومت میں کہیں محسوس ہوتا ہے، اِس سلسلے میں کسی جگہ کا تعین نہیں کیا جاسکا، صرف یہ ہوسکتا ہے کہ آپ سب سارے شہر میں پھیل جائیں اور ایسے افراد پر نگاہ رکھیں جو آپ کو مشکوک نظر آئیں۔ ہم اِس کے بعد ہی کوئی راہ عمل طے کرسکتے ہیں اور آپ سب یہ سب کچھ میک اپ میں کریں گے اور جب تک مجرم گرفتار نہ ہو جائیں آپ سب اپنی رہائش دانش منزل میں رکھیں۔ عمران آپ سب میں موجود ہے، اِس مہم میں وہ آپ سب کی راہنمائی کرے گا۔ اوور اینڈ آل۔

اور ٹرانسمیٹر کا بلب بجھ گیا، جولیا اُٹھ کر صوفے پر آبیٹھی اور سب کے سب عمران کی طرف متوجہ ہوگئے لیکن عمران آنکھیں بند کرکے صوفے پر ٹیک لگائے ہوئے سویا ہوا تھا۔

"عمران صاحب۔"

آخر صفدر کو بولنا پڑا۔

لیکن جواب ندارد۔ عمران ویسے ہی اطمینان سے سو رہا تھا، سب کے منہ بگڑ گئے کیونکہ حالات اتنے سنجیدہ تھے کہ تقریباً سب پر عمران کا یہ مذاق گراں گزر رہا تھا لیکن عمران کی فطرت کو کیا کہیں کہ وہ ایسی حرکتوں پر مجبور تھا۔ سنجیدہ رہنا تو وہ سیکھا ہی نہ تھا۔

آخر جولیا نے غصّے سے عمران کے کاندھے ہلائے۔

عمران نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

"کیا بات ہے۔۔اب سونے بھی نہیں دیتے۔"

عمران نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"عمران صاحب۔۔؛حالات بڑے نازک ہیں، سونے سے کام نہیں چلے گا۔"

کیپٹن شکیل نے سنجیدگی سے عمران سے کہا۔

"سونے سے کام نہیں چلتا تو اپنے باس سے کہہ کر پلاٹینم منگوالو۔"

"پلیز عمران صاحب۔۔۔"

صفدر نے کہا۔

اچھا تو بتاؤ کیا بات ہے؟

عمران نے اپنے چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے کہا۔

اب اُس کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ وہ حیران رہ گئے۔

صفدر دل ہی دل میں عمران کی صلاحیتوں کا قائل ہو رہا تھا، ظالم اتنے غضب کی ایکٹنگ کرتا ہے کہ کوئی شک بھی نہیں کر سکتا۔ اب اِسی کو لیجیئے اُس کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی جیسے عمران نے آج تک کبھی مذاق کیا ہی نہ ہو۔

آپ نے ایکسٹو کا پیغام نہیں سُنا؟

کیپٹن شکیل نے کہا۔

سُنا ہے۔۔ میرے خیال میں ایسے کیجیئے کہ آپ سب شہر میں پھیل جائیں۔ اپنے اپنے حلقے بانٹ لیں اور کوئی خاص بات ہو تو واچ ٹرانسمیٹر پر مجھے اطلاع کریں۔ صفدر اور کیپٹن شکیل ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری پر پہرہ دیں گے۔

آپ کو ڈاکٹر جوہر پر شک ہے؟

صدیقی نے پہلی بار عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

شک۔۔۔؟ شک تو مجھے اپنے آپ پر بھی ہے کہ آیا میں یہاں موجود بھی ہوں یا نہیں۔

عمران پھر پٹری بدل رہا تھا لیکن پھر نجانے کیا سوچ کر بولا

"اب آپ لوگ میک اپ کر لیجیئے۔۔۔ میں چلتا ہوں"

یہ کہہ کر عمران دروازے سے باہر نکل گیا۔

اور وہ سب اُٹھ کر میک روم کی طرف بڑھنے لگے۔

ملک کے مشہور تاجر حاجی مظفر محمود اپنے شاندار آفس میں بیٹھے ایک فائل کی ورق گردانی کر رہے تھے کہ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، اُنہوں نے چونک کر سر اُٹھایا، ایک لمحے کے لئے ریسیور کی طرف دیکھا اور پھر ریسیور اُٹھا کر کان سے لگالیا۔

"ہیلو۔۔۔! میں مظفر بول رہا ہوں۔"

حاجی صاحب نے کاروباری لہجہ میں کہا۔

"میں ایس ون بول رہا ہوں۔"

اُدھر سے بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔

اِس آواز کو سُن کر حاجی مظفر محمود بری طرح چونک پڑے۔ اُنہوں نے ایک نظر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر آواز دبا کر بولے۔

"یس باس۔۔ کیا حکم ہے۔۔؟"

"ایس نائن تمہارے پاس پہنچا ہے۔۔؟"

"نہیں باس۔۔ ابھی تک تو نہیں پہنچا۔"

" تم اپنے آفس میں ہی رہنا، وہ ابھی تم تک پہنچ جائے گا اور اُس کے احکام پر فوری عمل کرو"

"اوکے سر"

"اوکے۔"

یہ سُن کر حاجی صاحب نے ریسیور رکھ دیا اور جیب سے رومال نکال کر ماتھے پر چمکنے والے پسینے کے قطرے پونچھنے لگے کچھ لمحے وہ سوچتے رہے پھر اُنہوں نے میز کے کونے پر لگے ہوئے بٹن کو ہلکے سے دبایا۔

ایک منٹ بعد ایک باوردی چپڑاسی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

"صدیق۔۔اگر کوئی شخص مجھ سے ملنے آئے تو بغیر تاخیر کے اُسے میرے پاس لے آنا۔"

"بہتر جناب۔۔۔!"

چپڑاسی سلام کر کے واپس چلا گیا۔

اور حاجی صاحب دوبارہ فائل کی ورق گردانی کرنے لگے، تقریباً آدھے گھنٹے بعد چپڑاسی ایک غیر ملکی کو لئے اندر داخل ہوا، حاجی صاحب نے غیر ملکی سے ہاتھ ملایا اور اُسے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور چپڑاسی کو چائے لانے کے لئے کہا، چپڑاسی باہر نکل گیا۔

"فرمایئے۔۔!"

حاجی صاحب نے کاروباری انداز میں غیر ملکی سے پوچھا۔

اُس غیر ملکی نے جیب سے ایک چھوٹا سا کارڈ نکالا اور حاجی صاحب کو دے دیا۔

حاجی صاحب نے بغور اِس کارڈ کو دیکھا، کارڈ بالکل خالی تھا، صرف ایک کونے میں دھندلا سا 9 کا ہندسہ لکھا ہوا تھا۔ حاجی صاحب نے اطمینان کی ایک سانس لی اور کارڈ واپس کر دیا۔

"ابھی ابھی باس کا فون آیا تھا۔"

حاجی صاحب نے غیر ملکی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اچھا۔۔! کیا پوچھ رہے تھے۔۔؟"

غیر ملکی نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے متعلق ہی پوچھ رہے تھے۔"

اتنے میں چپڑاسی نے چائے کی ٹرے لا کر ساتھ والی میز پر رکھ دی اور پھر چائے بنا کر حاجی صاحب اور غیر ملکی کے سامنے رکھ دی۔

"دیکھو صدیق۔۔ میں مصروف ہوں اب میں کسی سے نہیں مل سکتا۔۔ اِس لئے کوئی شخص بھی آئے تو اُسے واپس بھیج دینا اور جب تک میں تمہیں نہ بلاؤں تم اندر نہ آنا۔"

حاجی صاحب نے چپڑاسی کو ہدایات دیتے ہوئے کہا اور چپڑاسی سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

"ہاں۔۔ اب فرمائیے کیا احکام ہیں؟"

حاجی صاحب غیر ملکی سے مخاطب ہوئے۔

"باس کا حکم ہے۔۔ کہ آپ دس دن کے لئے اپنی کوٹھی خالی کر دیں اور فیملی کو باہر بھیج دیں۔"

"میری کوٹھی سے باس کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔۔؟"

حاجی صاحب نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو باس ہی بہتر جانتا ہے۔"

غیر ملکی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"لیکن باس یہ حکم ٹیلیفون پر بھی دے سکتے تھے۔۔ آپ کو تکلیف کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔"

"کوئی وجہ ہو گی۔۔ ورنہ باس اِس بات کو ہم سے بہتر سمجھتا ہے۔"

"بہتر۔۔۔ باس کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

"اوکے۔۔ میں چلتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے غیر ملکی اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر حاجی صاحب سے ہاتھ ملاتا ہوا باہر نکل گیا۔

حاجی صاحب کو اُس کے حکم نے پریشان کر دیا تھا کیونکہ اِس حکم کی وجہ اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ بہر حال چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد اُنہوں نے فون اُٹھایا، چند نمبر گھمانے اور اپنی

بیوی کو باہر جانے کی تیاری کے لئے کہنے لگے۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد اُنہوں نے فون رکھ دیا ۔ ابھی اُنہیں فون رکھے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی، اُنہوں نے فوراً ریسیور اُٹھالیا۔

"ہیلو۔۔ میں مظفر بول رہا ہوں۔"

"حاجی صاحب۔۔ ایس نائن پہنچا تھا۔"

دوسری طرف سے وہی پہلے والی بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔

"یس باس۔۔ ابھی ابھی واپس گئے ہیں۔"

"پھر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی؟"

"یس باس۔۔ میں نے فیملی کو باہر جانے کا کہہ دیا ہے، کوٹھی آج شام کو خالی ہو جائے گی"

"ویری گڈ۔۔ تمہاری یہ مستعدی ہمیں بہت پسند آئی ہے۔"

"باس۔۔! ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔۔؟"

حاجی مظفر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔؟"

"باس آپ کو میری کوٹھی کس لئے چاہیئے۔۔؟"

"حاجی مظفر تمہیں اِس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے اور نہ آئندہ اِس قسم کی بات پوچھنے کی جرات کرنا اور اِن دس دنوں میں اپنی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش بھی نہ کرنا۔"

"بہتر سر۔"

اور فون ڈسکنکٹ ہو گیا۔

حاجی مظفر نے ریسیور رکھا اور خود اُٹھ کر باہر چلے گئے تھوڑی دیر بعد اُس کی کار مختلف سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔

حاجی صاحب دارالحکومت کے بہت بڑے تاجروں میں سے تھے، اُن کا کاروبار ملک کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا، بظاہر وہ ایک معزز شہری تھے اُن کی زیرِ نگرانی بہت سے یتیم خانے، کالج اور ہسپتال کل رہے تھے۔ سارے ملک میں حاجی صاحب کی نیک اور دریا دلی اور غریب پروری کے چرچے تھے لیکن یہ سب کچھ ظاہری بات تھی۔ اندرونی طور پر وہ اپنی تجارت کے لئے سارے ملک کو قربان کر سکتے تھے کیونکہ اُنہیں دولت سے بے حد پیار تھا اور وہ ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔

یہ سب کچھ اُنہوں نے اپنی محنت اور مستقل مزاجی سے بنایا تھا اِس لئے دولت اُن کی خاص کمزوری تھی۔ آج کل اُنہیں مختلف ذرائع سے علم ہوا تھا کہ حکومت ایسی درآمدی پالیسی کا اعلان کرنے والی ہے جس سے اُن کی تجارت پر شدید ضرب پڑ سکتی ہے۔ اِس لئے وہ غیر ملکی گروہ کے ہتھے چڑھ گئے جنہوں نے حاجی صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لوگ اُس کے ساتھ تعاون کریں گے تو وہ اُس درآمدی پالیسی کا اعلان نہیں ہونے دیں گے اور جس پالیسی کا اعلان ہو گا وہ اُن کی مرضی کے مطابق ہو گا جس سے اُن کی تجارت کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے گا۔

حاجی صاحب اِس سلسلے میں اُن کو کافی رقم بھی دے چکے تھے لیکن آج کے حکم نے اُنہیں واقعی پریشان کر دیا تھا، اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اِس گروہ کو اُن کی کوٹھی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے لیکن اب سوائے اُن کے احکام کی تعمیل کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ وہ اُنہیں ایک ایسی تحریر دے چکے تھے جو اگر منظرِ عام پر آجاتی تو اُن کی تمام ظاہری آن بان کا تار و پود بکھر کر رہ جاتا۔

یہی سوچتے ہوئے وہ کار چلا رہے تھے، کافی دیر وہ خالی الذہنی کی صورت میں سڑکوں پر کار چلاتے رہے۔

پھر اُنہوں نے کار ایک عظیم الشان ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں گھما دی، کار کو لاک کر کے وہ آہستہ آہستہ ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف کلے۔ ہال میں پہنچ کر اُنہوں نے بیٹھنے کے لئے ایک کونے

والی میز منتخب کی، ویٹر کو چائے لانے کے لئے کہا اور خود دوبارہ صبح والے مسئلے پر غور کرنے لگے۔

اچانک وہ اپنے پاس اجنبی آواز سُن کر چونک پڑے۔ اُنہوں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو ایک نوجوان اُس سے بیٹھنے کی اجازت مانگ رہا تھا، ایک لمحہ کے لئے اُن کے چہرے پر غصّے کے تاثرات اُبھرے لیکن جلد ہی وہ دور ہو گئے۔

"تشریف رکھیئے۔۔"

اُنہوں نے مصنوعی اخلاق برتتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔۔۔!"

اجنبی نوجوان یہ کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا، اتنے میں ویٹر نے چائے کے برتن لا کر رکھ دیئے۔

ایک چائے اور لاؤ۔

حاجی صاحب نے ویٹر کو آرڈر دیا۔

"اوہو۔۔ آپ تکلّف نہ کریں۔۔ میں ابھی چائے نہیں پیوں گا۔"

اُس اجنبی نے جلدی سے کہا۔

"اِس میں تکلّف کی کیا بات ہے؟"

یہ کہہ کر حاجی صاحب نے ویٹر کو جانے کا اِشارہ کیا۔

"مجھے تنویر کہتے ہیں۔"

اِس اجنبی نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام مظفر محمود ہے۔"

حاجی صاحب نے بھی جوابی فقرہ ادا کیا۔

"آپ کیا شغل کرتے ہیں۔۔؟"

تنویر نے پوچھا۔

"میرے کارخانے ہیں"

حاجی صاحب نے مختصر سا جواب دیا۔

"اوہو۔۔! آپ حاجی مظفر محمود تو نہیں۔۔ ملک کے مشہور تاجر۔"

تنویر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔۔ میں وہی ہوں۔۔"

حاجی صاحب نے اپنی تعریف سُن کر ذرا افتخارانہ لہجے میں کہا۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ سے اِس طرح اچانک ملاقات ہو جائے گی۔۔ ویسے میرا افریقہ میں کاروبار ہے۔۔ میں وہاں ہیروں کی کانوں کا مالک ہوں۔"

تنویر نے اپنے متعلق تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنے ملک میں کاروبار کیوں نہیں کرتے تا کہ ملک میں خوشحالی پیدا ہو۔"

حاجی صاحب کا لہجہ حب الوطنی سے بھرپور تھا۔

" جی ہاں۔۔ میں کافی عرصہ سے سوچ رہا ہوں لیکن میں ہچکچاتا اِس لئے ہوں کہ مجھے ملک میں تجارتی اونچ نیچ سے وقفیت نہیں ہے۔"

" ایسی کیا بات ہے۔۔۔ اگر آپ اِس ملک میں کاروبار کرنا چاہیں تو میں ہر طریقے سے آپ سے تعاون کروں گا۔"

حاجی صاحب نے فراخدلانہ پیش کش کی۔

" یہ تو آپ کی نوازش اور اعلیٰ ظرفی ہے۔ جو آپ اِس طرح بات کرتے ہیں، ورنہ عام تاجر تو یہ چاہتے ہیں کہ اُن کے علاوہ ملک کے تمام تاجر دریابرد ہوجائیں تاکہ اُن کی مناپلی قائم ہوسکے اور اِس لئے وہ ہر جائز وناجائز طریقہ استعمال کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔"

آپ کی بات درست ہے لیکن ایسے لوگ تو ہر ملک میں موجود ہوتے ہیں، لیکن جیسے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اُسی طرح بُروں کے ساتھ اچھے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں اور میں اپنے متعلق آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ مجھے اچھوں میں پائیں گے۔۔!"

" اوہو۔۔۔ حاجی صاحب آپ کیا سمجھ بیٹھے۔۔ میں تو ایک عام سی بات کر رہا تھا اور جہاں تک آپ کی شخصیت کا تعلق ہے تو آپ کو تو سب اچھی طرح جانتے ہیں۔"

اِس دوران وہ دونوں چائے بھی پیتے رہے۔ ویٹر اُن کی باتوں کے دوران چائے رکھ گیا تھا۔

باتوں باتوں میں اُن کے درمیان ملک کی آئندہ درآمدی پالیسی پر بحث چل نکلی، حاجی صاحب نے آئندہ پالیسی پر سختی سے تنقید کی اور تنویر کو بتایا کہ اِس پالیسی سے اُن کے بزنس پر بڑا بُرا اثر پڑے گا۔

"لیکن میں نے اِس کا انتظام کر لیا ہے۔"

حاجی صاحب نے تنویر کو راز داری سے بتایا۔

" مگر وہ کیسے۔۔؟"

تنویر نے حیرانی سے پوچھا۔

اِس پر حاجی صاحب نے اُس گروہ میں شمولیت کے متعلق تفصیل سے بتا دیا، ویسے اُنہوں نے تنویر کو تلقین کی تھی کہ وہ اِس کا ذکر کسی اور سے نہ کرے۔

" اجی نہیں حاجی صاحب۔۔ آپ اطمینان رکھیں۔ تنویر کا دل ایک سمندر ہے جس میں کوئی بات ایک بار گھس جائے تو پھر کبھی باہر نہیں نکل سکتی۔ ویسے آپ نے بہت اچھا کیا، آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ کسی طریقہ سے بھی اِس درآمدی پالیسی کا اعلان نہ ہونے دیں۔"

"آپ ٹھہرے کہاں ہوئے ہیں۔۔؟"

اچانک حاجی صاحب کو خیال آیا۔

"میری شہر میں آبائی کوٹھی ہے، ویسے میں آج رات کی فلائیٹ سے باہر جارہاہوں اور اب میں نے فیصلہ کرلیاہے کہ عنقریب افریقہ سے یہاں مستقل طور پر آباد ہو جاؤں۔۔ آپ کی باتوں نے مجھے بے حد اطمینان بخشاہے۔"

"آپ ضرور اپنے ملک میں کاروبار کریں۔ میں ہر طریقے سے آپ کی مدد کروں گا اور انشاءاللہ آپ بے حد کامیاب رہیں گے۔"

"بہتر۔۔ اچھا اب مجھے اجازت دیں، میں نے سفر کے لے کچھ تیاریاں بھی کرنی ہیں۔"

"اوکے۔ میں بھی چلتاہوں۔ میں صرف چائے پینے کے لئے یہاں چلا آیا تھا۔"

اور پھر دونوں نے ہاتھ ملایا اور حاجی صاحب پلیٹ میں دس روپے کا نوٹ پھینک کر باہر چلے گئے۔ تنویر اُن سے پہلے ہی ہوٹل سے باہر جاچکا تھا۔ حاجی صاحب جب ہوٹل سے باہر نکلے تو تنویر ایک ستون کی آڑ میں کھڑا تھا۔ پھر جیسے ہی حاجی صاحب کی کار کمپاؤنڈ سے باہر نکلی تنویر لپک کر برآمدے میں لگے ہوئے فون بوتھ میں گھس گیا۔

آج اتفاق نے اُسے ایک گہرے راز سے روشناس کرایا تھا، وہ تو ویسے ہی چائے پینے اِس ہوٹل میں چلا آیا تھا اور پھر حاجی صاحب سے گفتگو چھڑ گئی اور اِس طرح تنویر پر حکومت کے خلاف اور اِس نامعلوم سرگرمیوں کاراز فاش ہوگیا۔ اُسے خوشی تھی کہ وہ ایکسٹو کو یہ راز بتائے گا، اُس نے پھُرتی سے ریسیور اُٹھاکر ایکسٹو کے مخصوص نمبر گھمائے، چند ہی لمحوں میں سلسلہ مل گیا۔

ہیلو۔

ایکسٹو کی مخصوص آواز تنویر کی کان میں پڑی۔

میں تنویر بول رہاہوں جناب۔

تنویر نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

کیابات ہے تنویر۔

ایکسٹو نے پوچھا۔

اور تنویر نے حاجی صاحب سے اپنی گفتگو کی تمام تفصیل سنادی۔

"ویری گڈ تنویر۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھتے ہو۔"

تنویر کا سینہ یہ سن کر خوشی اور فخر سے پھول گیا۔

"تنویر تم ایسا کرو کہ نئے میک اپ میں حاجی مظفر کی نگرانی کرو اور اگر کوئی خاص بات ہو تو واچ ٹرانسمیٹر پر مجھے رپورٹ دے دینا۔"

اور تنویر نے اوکے سر کہہ کر فون رکھ دیا اور فون بوتھ سے باہر نکل آیا، پھر اُس کی کار بھی رینگتی ہوئی ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی۔

جمیل جیولرز کی شاندار دکان پر گاہکوں کی کافی بھیڑ تھی اور دکان کا مالک اور دیگر سیلز مین بڑی مستعدی اور پھُرتی سے گاہکوں کو سونے کے جھلمل جھلمل کرتے ہوئے زیورات ڈبوں سے نکال نکال کر دکھلا رہے تھے، جمیل جیولرز کی دکان زیورات کے سلسلے میں ملک کے طول و عرض میں مشہور تھی۔ اُن کے ہاں دیانت اور جدت کو پہلے نمبر پر جگہ دی جاتی تھی اور اب تک اُن کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچی تھی۔

آج حسبِ معمول دکان گاہکوں سے پُر تھی، کافی تعداد میں مرد اور عورتیں زیورات کو دیکھ رہے تھے، لوگ آجارہے تھے، اُن میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی، غرضیکہ ایک میلے کا سماں تھا ہر طرف رنگینی ہی رنگینی تھی، غریب آدمی تو اِس رنگینی سے لطف اُٹھانے کی کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ امیروں کی دنیا ہے اور امیر ہی اِس میں خوش رہ سکتے ہیں۔

دکان کے باہر ایک لمبی کار آکر رکی اور ایک نوجوان مرد جس نے بہترین تراش کا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا ہاتھ میں ایک ڈبہ لئے تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا دکان میں داخل ہوا اور سیدھا مینجر کے پاس پہنچا اور ڈبہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔

فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

مینجر نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

یہ ڈبہ کھول کر دیکھیں۔

نوجوان کے لہجہ تلخ تھا۔

مینجر نے بھی لہجے کی تلخی کو محسوس کر لیا لیکن اُس نے بجائے جواب دینے کے ڈبہ کھول لیا۔ اُس میں ایک انتہائی خوبصورت ہار جگمگ جگمگ کر رہا تھا، ہار انتہائی خوبصورت اور قیمتی تھا۔

مینجر نے ہار کو غور سے دیکھا لیکن اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کہ نوجوان کیا چاہتا ہے، اُس نے دوبارہ پوچھا۔

یہ ہار۔۔

"یہ ہار پرسوں بیگم آپ کی دکان سے لے گئی تھیں۔" نوجوان نے پُرِاسرار انداز میں کہا۔

اچھا پھر؟

اب مینجر بھی اُکتا گیا تھا کیونکہ اُس نے دوسرے گاہکوں کو بھی نپٹانا تھا۔

یہ ہار نقلی ہے۔

نوجوان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

لیکن مینجر کو یوں محسوس ہوا جیسے بم پھٹ پڑا ہو۔ ساتھ کھڑے ہوئے گاہک بھی چونک پڑے اور اب سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس ہار کو دیکھ رہے تھے جیسے وہ اِس صدی کا عجوبہ ہو۔

اُس نوجوان کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ لوگوں کی حیرت سے محظوظ ہو رہا ہو۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

آخر مینجر کو قدرے ہوش آیا تو وہ بولا۔

آپ کے سامنے ہے۔

دکان میں ہلچل مچ گئی، لوگوں نے زیورات سے ہاتھ کھینچ لئے۔ دکان کے مالک جمیل بھائی تیزی سے مینجر کے پاس پہنچے اور پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟

جناب یہ نوجوان ہار لے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ پرسوں اِن کی بیگم یہ ہار یہاں سے لے گئی ہیں اب یہ کہتے ہیں کہ یہ نقلی ہے۔

مینجر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

نقلی ہے۔۔۔؟

سیٹھ نے حیرت سے ہار کو اُٹھاتے ہوئے کہا۔ غور سے دیکھنے پر سیٹھ نے محسوس کر لیا کہ ہار واقعی نقلی ہے لیکن بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا تھا۔

معاف کیجیئے۔۔ کیا آپ ہماری دکان کا جاری شدہ کیش میمو دکھا سکتے ہیں؟

سیٹھ نے نوجوان سے کہا۔

جی ہاں۔۔ دیکھیئے۔۔

نوجوان نے جیب سے کیش میمو نکال کر سیٹھ کے سامنے کر دیا، سیٹھ نے غور سے دیکھا، کیش میمو واقعی ہی اُن کی دکان کا تھا اور ایک دن پہلے جاری کیا گیا تھا۔ سیٹھ چکرا گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ ہار واقعی اُن کی دکان سے فروخت کیا گیا تھا لیکن یہ ہار نقلی کیسے بن گیا۔

ہمارا اصلی والا ہار کہاں ہے؟

سیٹھ نے نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔

کیا مطلب؟ یہی ہار ہے اور یہ نقلی ہے، مجھے افسوس ہے کہ آپ ڈھونڈورا تو ہمیشہ دیانت کا پیٹتے ہیں اور مال نقلی فروخت کرتے ہیں۔ آپ سیدھی طرح یہ ہار واپس کر کے اِس کی رقم لوٹا دیجئے ورنہ میں پولیس کو اطلاع کر دوں گا اور پھر آپ کی یہ دیانت اور شہرت خاک میں مل جائے گی۔

نوجوان نے انتہائی تلخی سے جواب دیا۔

آپ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ اصلی ہار کے بدلے میں نقلی ہار واپس کر رہے ہیں۔

سیٹھ نے بھی تلخی سے جواب دیا اور پھر مینجر سے مخاطب ہو کر کہا۔

ذرا پولیس کو فون کرو، ابھی معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر نوجوان کے چہرے کا رنگ ذرا بدلا لیکن جیسے ہی مینجر نے آگے بڑھ کر فون کو ہاتھ لگایا نوجوان دو قدم پیچھے ہٹا اور اب اُس کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا اور چہرے پر کر ختگی اور درشتی چمک رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر سب چونک پڑے۔

خبر دار جو کسی نے بھی حرکت کی۔

نوجوان نے چیخ کر کہا۔

پھر لوگوں کی حیرانی کی حد نہ رہی جب اُنہیں اپنے چاروں طرف چار اور نوجوان ہاتھوں میں پستول لئے کھڑے نظر آئے، عورتیں بھی سہم گئیں۔ مرد اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑے تھے۔

نمبر دو۔ تم دکان کا دروازہ بند کر دو۔

اُس نوجوان نے جو اُن کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا ایک پستول بردار نوجوان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

اُس نے پھُرتی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا، نوجوان کے ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر شو

کیسوں اور کاؤنٹروں میں رکھے ہوئے زیورات کے ڈبے نکال نکال کر کاؤنٹر پر رکھنے شروع کر دیئے۔ ایک نے بڑھ کر تجوری کا دروازہ کھولا اور اُس میں پڑے ہوئے روپے اور خالص سونے کی ڈلیاں نکالنی شروع کر دیں۔

سیٹھ جمیل ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے لیکن جان کے خوف سے چپ تھے، جب سب مال سمیٹا جا چکا تو ایک نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور سامان کی گٹھڑی اُٹھا کر کار میں رکھی اور باقی لوگ بھی آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسکنے لگے اور پھُرتی سے دکان سے باہر نکل گئے۔

اُن کی سرغنہ نے ایک کارڈ جیب سے نکال کر سامنے پھینکا لیکن ابھی وہ مُڑ ہی رہا تھا کہ سڑک پر پولیس کی ویگن رکی اور پھر گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔

اُس نوجوان نے لپک کر کار کا دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا پھر اندھا دھند گولیاں چلنے لگیں، دکانیں دھڑا دھڑ بند ہونے لگیں، یہ سب کچھ اِس طرح ہوا کہ ساتھ والے دکاندار نے اچانک دکان بند ہوتے دیکھ کر یہ احساس کیا کہ شاید کوئی گڑبڑ یہ ہو، اُس نے پولیس کو فون کر دیا، نتیجہ میں اب دونوں طرف سے گولیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ پھر مجرموں کی کار گولیاں برساتی ہوئی تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگی اور پولیس ویگن بھی اُن کا پیچھا کرنے لگی۔ اُس کا سائرن گونجدار آواز میں بج رہا تھا اب زور وشور سے تعاقب ہو رہا تھا۔

اچانک مجرموں کی کار ایک سڑک پر مُڑ گئی، پولیس ویگن بھی اِسی طرف مُڑ گئی، یہ سڑک ساحل سمندر کی طرف جاتی تھی، اِس لئے بالکل ویران تھی، مجرموں کی کار کے ٹائروں میں گولیاں نہیں لگ رہی تھیں کیونکہ اُن پر بلٹ پروف شیلڈ نکل آئے تھے مجرموں نے اِس کار میں خاص انتظام کر رکھا تھا، اب گولیاں برسنا بند ہو گئی تھیں، صرف کاریں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔ مجرموں کی کار پولیس ویگن سے کافی آگے تھی اچانک کار کی رفتار انتہائی تیز ہو گئی۔ پھر ایک موڑ پر اِسی رفتار سے مڑ گئی، پولیس وین بھی چند لمحوں میں اُس موڑ پر پہنچ گئی، موڑ مُڑتے ہی سڑک درختوں کے ذخیرے سے گزرتی تھی۔ پولیس کی وین جیسے ہی موڑ مُڑی سامنے ہی مجرموں کی کار کھڑی تھی، پولیس کی وین اُس کے ساتھ جا کر رُک

گئی اور سپاہیوں نے بندوقیں سنبھالتے ہوئے نیچے اُتر آئے وہ سب پولیس کی اکڑلے کر نیچے اُترے تھے۔

لیکن اُن کی سب احتیاط بیکار تھی کیونکہ مجرموں کی کار خالی تھی، وہ شاید ذخیرے میں گھس گئے تھے اور وہاں سے تو اُنہیں گرفتار کرنا قطعی ناممکن تھا اور نہ جانے وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہونگے، سپاہیوں کے ساتھ ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔

اُنہوں نے وائرلیس پر پولیس ہیڈ کوارٹر کو پیغام تو راستے میں ہی دے دیا تھا اِس لئے اُنہیں اُمید تھی کہ پولیس کی گارد عنقریب وہاں پہنچنے والی ہوگی سب انسپکٹر کو یہ دیکھ کر قدرے اطمینان ہوگیا کہ جمیل جیولرز سے لوٹا ہوا مال ابھی کار میں ہی موجود تھا لیکن اچانک اُن پر سڑک کے دونوں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

چار سپاہی تو پہلی ہی باڑ میں ڈھیر ہوگئے بقیہ نے کاروں کی آڑ لیناچاہی مگر مجرم دونوں طرف چھپے ہوئے تھے اِس لئے سب انسپکٹر اور دو سپاہی دوسری باڑ میں ختم ہوگئے۔ سپاہیوں کے مرتے ہی مجرم درختوں کی آڑ سے نکلے اور پھر اُن کے کار میں بیٹھتے ہی کار تیزی سے آگے بڑھ گئی اور پولیس کی کار اور مُردہ سپاہی وہیں پڑے رہ گئے۔
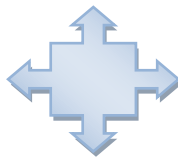
جولیا بغل میں ایک بھاری پرس دبائے کینٹ میں کھوم رہی تھی، اُسے اِس علاقے میں گھومتے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے لیکن اُسے کوئی بات بھی مشکوک نہیں لگی تھی، اب وہ گھومتے گھومتے بور ہو چکی تھی، اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کسی اچھے ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھانے اور ایک آدھ گھنٹہ ریسٹ کرے۔

لیکن وہ ابھی تک کسی فیصلے تک نہیں پہنچی تھی اِس لئے مسلسل گھوم رہی تھی، اچانک اُس نے کپڑے کی ایک بہت بڑی دکان کے سامنے ایک لمبی سی کار رکتے دیکھی۔

ڈرائیور کے ساتھ سر احمد علی کار سے اُتر کر دکان میں داخل ہوئے، سر احمد علی وزارتِ داخلہ میں سیکریٹری تھے۔ اُسے دیکھتے ہی جولیا کے ذہن میں وہ منظر گھوم گیا جب ایکسٹو نے عمران کو سر احمد علی کی نگرانی کے لئے کہا تھا لیکن بعد میں اُسے کچھ معلوم نہ ہوا۔

جولیا بھی لپک کر دکان میں داخل ہو گئی اور کپڑوں کے مختلف ڈیزائن دیکھنے لگی، دکان میں کافی رش تھا، جولیا نے دیکھ کہ مینجر سر احمد علی سے بڑے پُراِسرار انداز میں گفتگو کر رہا ہے اور پھر وہ اُن کو لیکر اندر بنے ہوئے کیبن میں چلا گیا۔

جولیا نے لاکھ تدبیریں سوچیں کہ کسی طرح اُن کی گفتگو سُن لے لیکن یہ سب کچھ ناممکن تھا، چنانچہ وہ مجبوراً وہیں کھڑی ڈیزائن دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد سر احمد علی مینجر کے ساتھ کیبن سے باہر نکلے اور مینجر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ بس اِس کا خیال رکھیئے۔"

اوکے۔

مینجر نے کہا اور سر احمد علی تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے دکان سے باہر نکل گئے، ڈرائیور نے ادب سے دروازہ کھولا اور گاڑی آہستہ آہستہ چل پڑی۔ جولیا بھی ڈیزائن چھوڑ کر چہرے پر مایوسی کا اظہار لئے باہر نکل آئی، جیسے اُسے اپنے مطلب کا کوئی ڈیزائن نظر نہ آیا ہو۔

سر احمد علی کی گاڑی ابھی تھوڑی دور گئی تھی کیونکہ ٹریفک کا رش تھا اِس لئے گاڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھی، جولیا نے اُن کا تعاقب کرنے کا اِرادہ کیا اور لپک کر پاس کھڑی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ اُس نے ڈرائیور کو ہدایت کی کہ سفید امپالا کا تعاقب کرے۔

لیکن بیگم صاحبہ۔۔

ڈرائیور نے قدرے مشکوک انداز میں کہا۔

وہ میرے شوہر ہیں اور آج کل اُن کے اور میرے درمیان ایک غلط فہمی ہو گئی ہے میں اُن کی مصرفیات دیکھ کر اِس غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔

جولیا نے تفصیل سے اُسے بتا کر مطمئن کر دیا۔

اور ڈرائیور جولیا کا رکھ رکھاؤ دیکھ کر خاموش ہو گیا، اُس نے شانے اُچکاتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی جیسے کہہ رہا ہو بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑے ہی جانیں۔

جولیا کی ٹیکسی سفید امپالا کے پیچھے چل رہی تھی اُن کے درمیان ایک اور گاڑی تھی۔ ڈرائیور شاید تعاقب کے سلسلے میں کافی مشاق معلوم ہوتا تھا کیونکہ اُس نے درمیانی گاڑی سے ٹیکسی آگے بڑھانے کی کوشش نہ کی تھی تاکہ آگے جانے والی گاڑی میں بیٹھے ہوئے صاحب کو تعاقب کا شک نہ ہو۔

تھوڑی دیر بعد امپالا وسیع اور قدرے صاف سڑک پر مڑ گئی اب اُس کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی۔ ٹیکسی کافی فاصلہ سے اُس گاڑی کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔

جولیا چوکنی بیٹھی متواتر آگے جانے والی گاڑی کو دیکھ رہی تھی، جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو اپس ایک بکسٹال پر صفدر نظر آیا، جولیا نے ڈرائیور کو صفدر کے پاس ٹیکسی روکنے کو کہا۔

پھر جیسے ہی صفدر کی نظر ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی جولیا پر پڑی وہ لپک کر اُس کے پاس آیا، جولیا نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا اور صفدر کے اندر بیٹھتے ہی کہا

ٹیکسی ڈرائیور نے جولیا کا اِشارہ پا کر ٹیکسی چلا دی، سفید امپالا بہت آگے ایک موڑ مڑ رہی تھی، جلد ہی وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی لیکن ڈرائیور نے رفتار انتہائی تیز کر دی اور پھر موڑ مڑتے ہی اُنہیں دور جاتی ہوئی امپالا نظر آ گئی، جولیا نے اِس دوران صفدر کو انگلش میں تمام تفصیل بتا دی۔

صفدر نے کہا۔

"جولیا ہو سکتا ہے عمران کو یہ سب کچھ پہلے ہی معلوم ہو، محنت کہیں رائیگاں نہ جائے۔"

کوئی بات نہیں۔ میرے خیال میں تو کچھ واقعات اِس طرح پیش آئے ہیں کہ عمران شاید اِن میں پھنس کر اِس طرف توجہ نہ دے سکا ہو۔

ہو سکتا ہے۔ چلو کچھ بھی ہو ظاہر ہو جائے گا۔

پھر وہ چپ ہو کر امپالا کی طرف دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد امپالا دارالحکومت سے دور ایک ویران پہاڑی کی طرف مڑ گئی یہ پہاڑی بے برگ و گیاہ تھی۔ یہ صدیوں سے اِس طرح ویران ہی چلی آ رہی تھی اور پتہ نہیں دارالحکومت سے اتنے نزدیک ہونے کے باوجود حکومت نے اِس پر توجہ کیوں نہیں دی تھی، نہیں تو یہ ایک بہترین پکنک پوائنٹ بن سکتا تھا۔

جولیا تم نے آج کا اخبار دیکھا ہے؟

صفدر نے اچانک کہا۔

نہیں۔ کیا خاص بات ہے؟

جولیا نے چونکتے ہوئے کہا۔

اب شوگی پاما اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آیا ہے، کل اُس کے گروہ نے صرافہ مارکیٹ کے مشہور جوہری جمیل جیولرز کی دکان پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالا، سارا سونا اور زیورات نکال لے گیا اور وہیں اپنا کارڈ بھی چھوڑ گیا جس پر شوگی پاما لکھا ہوا ہے۔

پولیس کو اطلاع نہیں ملی تھی؟

جولیا نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

پولیس نے تو اُن کا تعاقب بھی کیا تھا لیکن ساحل سمندر کے نزدیک ذخیرے میں اُنہوں نے پولیس کے سات سپاہیوں اور ایک سب انسپکٹر کا خاتمہ کر دیا اور خود فرار ہو گئے۔

صفدر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

عجیب بات ہے۔ اتنا بڑا مجرم اور اِس طرح معمولی ڈاکے مارتا پھرے۔

معلوم نہیں۔۔ویسے مجھے اِس میں کوئی بڑا راز معلوم ہوتا ہے۔

صاحب اب۔۔۔

اچانک ڈرائیور نے اُن کی طرف مسکرا کر پوچھا اور وہ دونوں چونک پڑے۔

کیونکہ ڈرائیور اُن سے مخاطب تھا، امپالا پہاڑی کے دامن میں رک گئی تھی اور ڈرائیور مزید ہدایات لینا چاہتا تھا۔

تم یہیں ایک درخت کے نیچے رک کر ہمارا انتظار کرو۔

جولیا نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا ہم ابھی آتے ہیں۔

ڈرائیور نے ٹیکسی ایک سائیڈ پر روک دی اور وہ دونوں پھرُتی سے نیچے اُتر آئے۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہنستے کھیلتے پہاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے جیسے ایک خوش باش جوڑا ہنی مون منانے نکل کھڑا ہوا ہو۔شاید وہ اِس طرز کی ایکٹنگ اِس لئے کر رہے تھے کہ سر احمد علی کو اُن پر شک نہ گزرے۔

اگر تنویر ہمیں اِس حالت میں دیکھ لے تو کیا کر گزرے۔

صفدر نے ہنستے ہوئے جولیا کی طرف دیکھا۔

ہونہہ۔۔وہ تو بڑا احمق ہے۔

جولیا نے نفرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

ویسے وہ اپنے دل سے مجبور ہے۔

صفدر نے جولیا کو مزید چھیڑتے ہوئے کہا۔

صفدر بھی آج چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں تھا۔

لعنت بھیجو اُس پر۔۔نا جانے ایکسٹو نے ایسے نکمے آدمی اپنے محکمے میں کیوں رکھے ہوئے ہیں۔

جولیا اُکتائی ہوئی معلوم ہونے لگی۔

نہیں جولیا۔ ویسے وہ آدمی کام کا ہے، بس عشق نے غالب نکما کر دیا۔

صفدر نے ٹکڑا لگایا اور جولیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ویسے عمران اُس کی مٹی بہت پلید کرتا ہے لیکن وہ ایسا ڈھیٹ ہے کہ پھر بھی باز نہیں آتا۔

جولیا نے صفدر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

بس اِنہی باتوں سے تنویر کا جی جلتا ہے کہ تم عمران کی تعریفیں کرتی رہتی ہو۔

صفدر نے شرارت بھری آنکھوں سے جولیا کو دیکھتے ہوئے کہا اور جولیا مسکرا کر رہ گئی۔

اب وہ دونوں امپالا کے نزدیک پہنچ چکے تھے، اُنہوں نے اُچٹتی ہوئی نگاہ امپالا پر ڈالی۔ وہاں صرف ڈرائیور تھا وہ بھی سگریٹ پھونک رہا تھا، سر احمد علی غائب تھے۔

ڈرائیور نے ایک گہری نظر اِن دونوں پر ڈالی پھر کچھ سوچ کر مسکرا پڑا اور زور زور سے راجپوت سٹائیل میں سگریٹ کے کش لینے لگا۔

صفدر اُسے دیکھ کر مسکرایا اور پھر دونوں آگے بڑھ گئے، اب پہاڑی کی چڑھائی آگئی تھی۔

سر احمد علی کہاں جاسکتا ہے؟

جولیا نے پوچھا۔

معلوم نہیں۔ ویسے یہاں سر احمد علی جیسے آدمی کا آنا راز سے خالی نہیں۔

صفدر نے جواب دیا۔

وہ آہستہ آہستہ پہاڑی پر چڑھ رہے تھے، تھوڑی دیر بعد وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے۔ وہاں سے اُنہوں نے دیکھا تو پہاڑی کی پرلی ڈھلوان پر ایک چھوٹا سا پرانا مندر تھا جو ویران معلوم ہو رہا تھا۔

میرے خیال میں سر احمد علی اِسی مندر میں گئے ہوں گے۔

جولیا نے رائے دی۔

"کیوں۔"

صفدر نے پوچھا۔

کیونکہ اِس کے علاوہ اور ایسی جگہ یہاں نہیں ہے جہاں سر احمد علی جاسکتے ہوں۔

"لیکن اُس کا مندر میں کیا کام ہو سکتا ہے؟"

یہ تو مندر میں جا کر ہی معلوم ہو گا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

پھر وہ آہستہ آہستہ مندر کی طرف بڑھنے لگے، مندر بالکل ویران تھا وہ پہلے تو مندر کے پاس سے ہوتے ہوئے گزر گئے، کافی دور جا کر وہ واپس مڑے۔

میرے خیال میں مندر کو اندر سے چیک کرنا چاہئیے۔

صفدر نے رائے دی۔

لیکن ہمارا مندر میں یوں اچانک چلے جانا ہمارے لئے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

جولیا نے رائے دیتے ہوئے کہا۔

" تو پھر تم یہیں ٹھہرو میں اندر جا کر دیکھتا ہوں، اگر خطرے والی بات ہوئی تو ایکسٹو کو واچ ٹرانسمیٹر پر اطلاع دے دینا۔

یہ ٹھیک ہے۔ ہم دونوں کے بیک وقت پھنس جانے کی بجائے ایک آدمی کو ہی اندر جانا چاہئیے۔

اور صفدر تیزی سے بڑھتا ہوا مندر کی طرف چلا گیا اور جولیا ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں بیٹھ گئی۔ صفدر نے جیب میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ مندر میں داخل ہو گیا۔ مندر میں داخل ہوتے ہی ایک چھوٹا سا کمرہ نظر آیا جو بالکل ویران تھا، چاروں طرف مکڑیوں کے جالے تھے کمرہ انتہائی خستہ حالت میں تھا لیکن صفدر فرش پر قدموں کے صاف نشانات دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ سر احمد علی یہاں آئے ہیں۔

اب وہ محتاط ہو گیا، جیب میں پڑے ہوئے پستول پر اُس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی، اِس چھوٹے سے کمرے کے آگے ایک اور بڑا سا کمرہ نظر آیا۔ صفدر احتیاط سے اُس میں داخل ہو

گیا۔ اِس کمرے کی حالت بھی پہلے کمرے کی سی تھی۔

اِس کمرے کے درمیان میں ایک بڑی سی پرانی مورتی پڑی ہوئی تھی جس کی ایک آنکھ گھی لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اِس کی آنکھ میں قیمتی پتھر تھا جو بعد میں کسی نے نکال لیا تھا۔ قدموں کے نشان اِس مورتی تک آکر ختم ہوگئے تھے اِس لئے صفدر سمجھ گیا کہ مورتی سے کوئی راستہ کسی خفیہ تہہ خانے تک جاتا ہے۔ وہ ابھی دیکھ ہی رہا تھا کہ ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی۔

صفدر پھُرتی سے مورتی کے پیچھے ہو گیا۔ مورتی سامنے سے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی، اِس میں سے سر احمد علی باہر نکل آئے اور مورتی دوبارہ اپنی پہلی حالت میں آگئی۔ سر احمد علی نے جیب سے رومال نکال کر کوٹ کی گرد جھاڑی اور پھر رومال جیب میں رکھ کر وہ چلنے لگے تو اُن کی نظر اچانک فرش پر پڑی اور وہ چونک پڑے کیونکہ اُن کے قدموں کے ساتھ ساتھ دوسرے قدموں کے نشانات بھی صاف نظر آرہے تھے۔

سر احمد علی سمجھ گئے کہ کوئی شخص اندر داخل ہوا ہے اور ابھی تک اِس کمرے میں موجود ہے کیونکہ اگر وہ باہر جاتا تو واپسی کے نشانات بھی نظر آتے۔ سر احمد علی نے پھُرتی سے ریوالور نکالا اور اِدھر اُدھر دیکھا۔

صفدر بھی چونک گیا، اُس نے سوچا کہ اب بھی وقت ہے کہ میں بے خبری میں سر احمد علی کو کور کر سکتا ہوں ورنہ اگر اِن کا داؤ چل گیا تو ساری بھاگ دوڑ فضول ثابت ہو گی چنانچہ جیسے ہی سر احمد علی کی پشت صفدر کی طرف ہوئی وہ چُپکے سے مورتی کے پیچھے سے نکلا۔

"ہینڈز اپ"

صفدر کی گرجدار آواز سنائی دی۔

صفدر کے ریوالور کی نالی کی چبھن جب پشت پر محسوس ہوئی تو اُنہوں نے آہستہ سے ریوالور نیچے گرا دیا لیکن پھر جھٹکے سے ریوالور صفدر کے ہاتھ سے بھی گر گیا کیونکہ سر احمد علی صفدر کی توقع

سے بھی زیادہ پھرتیلے نکلے۔ اُنہوں نے اُچھل کر یکدم لات ماری جو صفدر کے ریوالور پر پڑی اور ریوالور صفدر کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔

اِس سے پہلے کہ صفدر اِس ناگہانی حملے سے سنبھلتا سر احمد علی کا ایک زوردار مکہ صفدر کی کنپٹی پر پڑا اور وہ کٹے ہوئے شہتیر کے طرح فرش پر آ گرا۔ پہلی ضرب ہی اتنی زوردار تھی کہ صفدر جیسا قی اور توانا شخص بھی اندھیرے میں ڈوب گیا۔ یقیناً سر احمد علی گینڈے جیسی قوت کے مالک تھے۔

صفدر کے نیچے گرتے ہی اُنہوں نے جھک کر اپنا ریوالور اُٹھایا اور صفدر کو ہلا جلا کر دیکھا۔ جب اپس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اُنہوں نے صفدر کا کمرے میں پڑا ہوا ریوالور اُٹھایا اور ایک لمحہ کے لئے اُسے اُلٹ کر دیکھا اور پھر جیب میں رکھ لیا۔ پھر اُنہوں نے مورتی کی آنکھ میں انگلی ڈال کر گھمائی، انگلی گھماتے ہی مورتی سامنے سے دو حصّوں میں منقسم ہو گئی۔ سر احمد علی نے صفدر کو اُٹھایا اور کندھوں پر ڈال لیا اور مورتی میں گھس گئے، اُن کے اندر جاتے ہی

مورتی دوبارہ اپنی اصلی حالت میں آ گئی مورتی کے اندر زینے بنے ہوئے تھے۔

وہ تیزی سے زینے اترتے چلے گئے، زینے چھوٹے سے ہال میں جا کر ختم ہوئے۔ اُس ہال کی خوبصورتی اور سجاوٹ دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک ویران سے مندر میں واقع ہے۔ اُن کے اندر داخل ہوتے ہی ایک جسیم اور قد آور شخص ایک چھوٹے سے دروازے سے اندر داخل ہوا، اُس نے حیرت سے سر احمد علی کی طرف دیکھا۔

کیا بات ہے؟ یہ کون شخص ہے؟

اُس نے حیران ہو کر پوچھا۔

سر! یہ آدمی مورتی کے پاس چھپا ہوا تھا۔

سر احمد علی کا لہجہ بہت مؤدبانہ تھا۔

سر احمد علی نے صفدر کو کندھے سے اُتار کر فرش پر ڈال دیا، صفدر ابھی تک بے ہوش تھا کیونکہ چوٹ شدید تھی۔ دوسرے آدمی نے صفدر کو غور سے دیکھا۔

"شاید یہ میک اپ میں ہے۔"

"میک اپ؟"

سر احمد علی حیران ہو کر بولے۔

ذرا الماری سے ایمونیا کی بوتل نکال لاؤ۔

سر احمد علی ہال کے کونے میں رکھی ہوئی ایک بڑی سی الماری کی طرف بڑھ گئے، اُنہوں نے وہاں سے بوتل نکالی اور واپس ہوئے۔

اِس کا چہرہ اِس سے صاف کرو۔

سر احمد علی نے ایمونیا سے صفدر کا میک اپ صاف کر دیا۔ اب صفدر کا اصلی چہرہ سامنے تھا، ایمونیا چہرے پر پڑتے ہی صفدر کو ہوش بھی آگیا تھا۔

اُسے ہوش میں آتا دیکھ کر لحیم شحیم آدمی نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ صفدر اُٹھ کر بیٹھ گیا وہ اب بھی سر کو جھٹک رہا تھا۔ جیسے آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھند کو صاف کر رہا ہو۔

یہ تو وہی آدمی ہے جو ہماری قید سے نکل بھاگا تھا۔

لیکن یہ یہاں کیسے آپہنچا؟

دوسرے آدمی نے حیران ہو کر پوچھا۔

یہ تو میں بھی حیران ہوں

سر احمد علی نے کہا۔

اِس کا مطلب ہے کہ یہ اڈہ بھی محفوظ نہیں رہا۔

دوسرے آدمی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

ہو سکتا ہے کہ یہ اتفاقاً یہاں آ گیا ہو۔

سر احمد علی نے رائے دی

نہیں۔۔ یہ ناممکن ہے۔ یہ دراصل تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا ہو گا۔

اُس آدمی نے سر احمد علی کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا، اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

لیکن۔۔۔

ٹھہرو۔۔

سر احمد علی کے فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اُس نے کہا اور سر احمد علی خاموش ہو گئے۔ وہ اِس آدمی سے بے حد مرعوب تھے، اُس آدمی نے ریوالور کا دستہ پھُرتی سے صفدر کے سر پر دے مارا جو حیرانی سے ہال کو دیکھ رہا تھا۔

صفدر ضرب لگتے ہی پھر بے ہوش ہو گیا۔

اِس کے دوسرے ساتھی بھی یہیں کہیں ہونگے۔

اُس آدمی نے کہا تو سر احمد علی بھی چونک گئے۔

ہو سکتا ہے۔

اُنہوں نے کہا۔

ہمیں فوراً اِس اڈے کو تباہ کر کے نکل جانا چاہئیے۔

یہ کہہ کر وہ فوراً سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا شاید وہاں ڈائنامائٹ سسٹم اُنہوں نے پہلے ہی لگا دیا تھا۔

میں ٹائم سیٹ کرتا ہوں۔ تم الماری سے ضروری کاغذات نکال لاؤ۔

اُس آدمی نے سر احمد علی سے کہا۔

ٹھہرو۔ پہلے مجھ سے ٹائم سیٹ کر لو۔

زینے کی طرف سے آواز آئی

اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھٹھک کر رک گئے۔

عمران زینے سے نیچے اُتر رہا تھا اُس کے دونوں ہاتھوں میں دو ریوالور چمک رہے تھے۔ دراصل جولیا کو صفدر کا انتظار کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی تو اُس نے خطرے کا احساس کر کے واچ ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو کو سچوئشن سے آگاہ کر دیا۔

عمران کال سنتے ہی وہاں پہنچ گیا تھا کیونکہ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں صفدر کسی خطرے میں ہی نہ پھنس گیا ہو، پھر عمران اپنی ذہانت سے مورتی کے ذریعے اندر آ پہنچا، وہ اُس وقت اندر پہنچا جب صفدر دوبارہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اگر عمران بروقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو صفدر بھی اِس مندر کے ساتھ ساتھ ختم ہو چکا ہوتا۔

سر احمد علی نے عمران کو دیکھتے ہی ہاتھ جیب میں لے جانا چاہا، اُدھر عمران کے ریوالور کی گولی اُس کے کان کے پاس سے نکل گئی۔

ہاتھ جیب سے دور رکھو ورنہ دوسری گولی دماغ میں روشندان بنا دے گی۔

عمران کی آواز میں سفاکی کا عنصر غالب تھا۔

اور سر احمد علی ٹھٹھک کر رک گئے۔

جولیا۔ تم اِن دونوں کو جیبوں سے ریوالور نکال لو۔

عمران نے جولیا کو حکم دیا۔

جولیا پہلے اِس لحیم شحیم شخص کی طرف بڑھی، جولیا اُس کی طرف سیدھی جا رہی تھی، جب وہ قریب پہنچنے لگی تو عمران نے چیخ کر کہا۔

جولیا اِس کی پشت پر جاؤ۔

جولیا اپنی غلطی محسوس کر کے ٹھٹھکی مگر بے سود کیونکہ اُس آدمی کو ایک سنہری موقع مل چکا تھا اُس کا ایک بھاری بھر کم ہاتھ جولیا کی گردن کے گرد لپٹ چکا تھا۔

"اِسے چھوڑ دو ورنہ میں تمہارے ساتھی کو گولی مار دوں گا۔"

عمران نے انتہائی خونخواری سے لحیم شحیم آدمی کو کہا۔

بڑی خوشی سے ماردو لیکن یاد رکھو تمہاری اِس محبوبہ کی گردن ٹوٹ چکی ہو گی۔

یہ کہہ کر اُس آدمی نے جولیا کی گردن پر بازو کا دباؤ بڑھایا، جولیا بری طرح پھنس چکی تھی گردن پر دباؤ کی وجہ سے اُس کا چہرہ گہرا سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں بے چینی کے آثار تھے۔

اب عمران عجیب کش مکش میں تھا، جولیا کی معمولی سی غلطی نے سچوئشن ہی بدل دی تھی۔

ریوالور نیچے پھینک دو ورنہ۔۔۔

یہ کہہ کر اُس شخص نے جولیا کی گردن پر بازو کا دباؤ بڑھادیا اور جولیا کا دباؤ کی وجہ سے منہ کھل گیا اور چہرے پر شدید تکلیف کے آثار نظر آنے لگے۔

اب عمران کے سامنے ریوالور پھینک دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ یہ شخص جولیا کی گردن صرف ایک جھٹکے میں توڑ سکتا تھا اور کہ اُس سے یہ بعید نہ تھا کہ وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ بھی پہنادے۔

اِس لئے عمران نے ہر چہ باداباد کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے ریوالور نیچے پھینک دیئے۔

عمران کے ریوالور نیچے گراتے ہی سر احمد علی نے فوراً جیب سے ریوالور نکال کر عمران کو کور کر لیا، عمران نے بغیر اُس کے کہے ہاتھ اُوپر کر لئے۔

"بڑے سمجھدار ہو۔"

سر احمد علی نے کہا

دوسرے شخص نے عمران کو ہاتھ اُٹھاتے دیکھ کر جولیا کو بھی ایک جھٹکے سے پرے پھینک دیا اور خود جیب سے ریوالور نکال لیا، جولیا اُس شخص سے علیحدہ ہو کر بڑی تیزی سے اپنی گردن مسل رہی تھی۔

اپنے ہاتھ اوپر اُٹھاؤ لڑکی۔

اور جولیا نے ہاتھ اونچے کر لئے۔

تم ان کے ہاتھ باندھ لو۔

اُس نے سر احمد علی کو حکم دیا۔

اور سر احمد علی عمران کی طرف بڑھے وہ چکر کاٹ کر اُس کی پشت کی طرف سے گیا، چند ہی منٹ بعد عمران اور جولیا کے ہاتھ اُن کی پشت پر باندھے جا چکے تھے۔

اُس کے بے ہوش ساتھی کے ہاتھ بھی باندھ دو، کہیں راستے میں اُسے ہوش نہ آجائے۔

اور سر احمد علی نے بے ہوش پڑے ہوئے صفدر کے ہاتھ بھی پشت پر باندھ دیئے۔

عمران کو راستے کا لفظ سن کر اطمینان ہوا کہ وہ اِنہیں یہیں چھوڑ کر نہیں جا رہے بلکہ ساتھ کہیں اور لے جانا چاہتے ہیں کیونکہ اُسے خطرہ تھا کہ کہیں وہ مندر کو ڈائنامائٹ سے اڑا دیں اور انہیں مندر میں چھوڑ دیں۔ کیونکہ وہ خود اِن کے ہیڈ کوارٹر جانا چاہتا تھا۔ آج رات قدرت نے خود اِسے موقع دے دیا تھا ورنہ اب تک وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھر رہا تھا۔

جتنی دیر میں سر احمد علی نے اِن لوگوں کے ہاتھ باندھتا رہا، دوسرا شخص اپنے سامنے ایک چھوٹی سی مشین رکھے جو یقیناً ٹرانسمیٹر تھا، کسی کو کال کرتا رہا۔

ہیلو۔ ایس ٹو سپیکنگ۔ ہیلو ایس ٹو سپکینگ

چند لمحوں بعد دوسرے طرف سے ایک بھرائی ہوئی آواز آئی۔

یس۔ ایس ون آن دی لائن۔

سر۔ میں ایس ٹو بول رہا ہوں۔

ہم نے دشمن کے تین آدمی اڈہ نمبر چار پر گرفتار کر لئے ہیں۔ اوور۔

اڈہ نمبر چار پر وہ کیسے ؟؟؟

سر۔ شاید ایس فائیو کا پیچھا کرتے ہوئے آئے ہیں۔ اوور۔

ایس ٹو نے سر احمد علی کو گھورتے ہوئے کہا۔

سر احمد علی کا چہرہ یہ الفاظ سن کر تاریک ہو گیا۔

ایس فائیو یہاں موجود ہے اوور۔۔

یس سر۔ اوور۔

اُسے سیٹ پر حاضر کرو۔

ایس ٹو کے اِشارے پر سر احمد علی سیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔

یس سر۔ ایس فائیو سپیکنگ۔

سر احمد علی نے کانپتے ہوئے کہا۔

کیا یہ لوگ تمہارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اوور۔

معلوم نہیں باس۔ ویسے میں نے اپنی طرف سے پوری احتیاط کی ہے۔

سر احمد علی نے پریشان لہجے میں کہا۔

اگر پوری طرح احتیاط کی ہوتی تو یہ یہاں کیسے پہنچے؟

ایس ون کا لہجہ انتہائی بھیانک ہو گیا۔

سر! سر!

سر احمد علی کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

ایس ٹو کو سیٹ پر حاضر کرو۔

یس سر! ایس ٹو سپیکنگ۔

ایس ٹو نے مائیک احمد علی سے لیتے ہوئے کہا۔

ایس ٹو تم اور ایس فائیو اِن آدمیوں کو لے کر فوراً ہیڈ کوارٹر پہنچ جاؤ، میں کل ہی میجر آپریشن کر کے یہاں سے فارغ ہونا چاہتا ہوں۔ ہمیں پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے، وین ابھی اڈہ نمبر چار پر پہنچ جاتی ہے۔

اوکے سر!

اوور اینڈ آل۔

سپیکر سے آواز نکلنی بند ہو گئی۔

اور سر احمد علی کے چہرے پر تازگی آگئی۔

ایس فائیو۔ اِن تینوں کو اوپر کمرے میں لے جاؤ میں ٹائم سیٹ کر کے آتا ہوں۔

چلو۔

سر احمد علی نے عمران اور جولیا سے مخاطب ہو کر کہا۔

ابھی عمران کوئی جواب ہی دینا چاہتا تھا کہ ایس ٹو نے ریوالور کا دستہ زور سے عمران کے سر پر دے مارا، دوسری ضرب سے عمران بے ہوش ہو چکا تھا۔ سر احمد علی نے یہی حربہ جولیا پر آزمایا، اور چند ہی لمحوں بعد دونوں بے ہوش پڑے تھے۔

آج رات حاجی مظفر کی کوٹھی پر کیپٹن شکیل اور تنویر پہرہ دے رہے تھے، تنویر کی رپورٹ پر ایکسٹو نے یہ انتظام کیا تھا۔ پہرہ دیتے دوسری رات ہو گئی تھی لیکن ابھی تک کوئی بات سامنے

نہیں آئی تھی، کیپٹن شکیل کوٹھی کی پشت پر اور تنویر کوٹھی کے سامنے ایک سڑک پر پھٹی پرانی کمبل اوڑھے فٹ پاتھ پر بیٹھا تھا۔

اُس نے برص زدہ فقیر کا میک اپ کیا ہوا تھا اور تھوڑی دیر بعد سر کو اِس طرح جھٹک رہا تھا جیسے کسی کی بات کا جواب دے رہا ہو۔

کیپٹن شکیل چست لباس میں ایک گھنے درخت پہ ہر چڑھ کر کوٹھی کے اندر نظریں ڈال رہا تھا، ہر طرف ایک بھیانک خاموشی چھائی ہوئی تھی کیونکہ یہ کوٹھی شہر سے کافی دور واقع تھی۔ اِس لئے سڑک تقریباً سنسان تھی، کبھی کبھار کوئی بھولی بھٹکی کار گرد اُڑاتی ہوئی گزر جاتی، حاجی مظفر کی کوٹھی سے تقریباً تین فرلانگ پر وزارت خارجہ کا دفتر واقع تھا، جہاں دن رات ملٹری کے نوجوان پہرہ دیتے رہتے تھے۔

اچانک تنویر چونک پڑا کیونکہ سڑک پر ایک کار دور سے رینگتی ہوئی آرہی تھی۔ تنویر نے سر کو زور زور سے جھٹکنا شروع کر دیا، کار آہستہ آہستہ تنویر کے پاس آکر رک گئی۔ کار میں اندھیرا تھا، اِس لئے تنویر کو معلوم نہ ہو سکا کہ اندر کتنے آدمی ہیں۔

یہ فقیر اِس سنسان سڑک پر کیوں آبیٹھا ہے۔

کار سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

فقیر جو ہوا۔

ایک اور آواز سنائی۔

اِسے چیک تو کریں۔

اور پھر کار کا دروازہ کھول کر ایک آدمی باہر نکل آیا۔

بابا۔۔

اُس نے تنویر سے مخاطب ہو کر کہا۔

لیکن تنویر نے جواب دینے کی بجائے سر کو اور بھی زور زور سے جھٹکنا شروع کر دیا۔

بابا۔۔بابا۔۔

اُس آدمی نے اب زور سے پکارا۔

کیا ہے۔

تنویر نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں کھو کر مخاطب کو دیکھنا شروع کر دیا۔

اُس نے نا جانے کون سا سلوشن لگا رکھا تھا کہ اُس کی آنکھیں اندھیرے میں بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔

بابا۔ شہر جا کر ڈیرہ لگاؤ۔ یہاں تمہیں کیا ملے گا۔

تو تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم یہاں کسی سے کچھ لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔ تنویر کی آواز میں جلال تھا اور اُس کے ماتھے پر لکیریں بننے اور مٹنے لگیں۔

تو۔۔

جا بچا چلا جا۔ تم فقیروں کی رمزیں نہیں جانتے، کہیں تمہیں نقصان نہ ہو۔ اب تنویر کی آواز میں نرمی تھی۔

اور پھر اُس نے آنکھیں بند کر کے سر کو جھٹکنا شروع کر دیا، وہ آدمی چند لمحے تنویر کو دیکھتا رہا پھر کار کی طرف مُڑ گیا۔

کوئی فقیر ہی معلوم ہوتا ہے۔

اُس آدمی نے کار کے پاس آ کر کہا۔

چلو اندر بیٹھو۔

وہی بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔

اور وہ آدمی کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا، کار رینگتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور پھر تھوڑی دور جا کر حاجی مظفر کی کوٹھی کے سامنے رک گئی، کار کے ہیڈ لیمپ تین دفعہ جلے بجھے اور کوٹھی کا دروازہ کھل گیا، کار اندر چلی گئی اور پھاٹک بند ہو گیا۔

تنویر نے پھاٹک بند ہوتے ہی اپنے میلے سے بچھونے کے نیچے سے کلائی کی گھڑی نکالی جس میں ٹرانسمیٹر فٹ تھا اور کار کی رپورٹ کیپٹن شکیل کو دے کر اُس نے گھڑی پھر بچھونے کے نیچے رکھ دی۔

چند لمحے اِسی طرح گزر گئے، اچانک تنویر چونک پڑا کیونکہ بچھونے کے نیچے سے ہلکی ہلکی سوں سوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ تنویر نے پھُرتی سے گھڑی بچھونے کے نیچے سے نکالی اور بٹن آن کر دیا۔

ہیلو ہیلو۔ کم آن دی لائین۔ سیٹ سے ایکسٹو کی آواز اُبھری۔

تنویر نے ہلکی آواز میں کہا۔

یس۔ تنویر آن دی لائن۔

رپورٹ۔

اور تنویر نے کار والا سارا واقع ایکسٹو کو سنا دیا۔

اچھا۔ تم کیپٹن شکیل کو لے کر کوٹھی میں داخل ہو جاؤ میں بھی وہاں آ رہا ہوں، میرے خیال میں آج مجرموں کے مقاصد کا ہمیں بخوبی علم ہو جائے گا۔

ایکسٹو نے تنویر کو حکم دیا۔

او کے سر!

تنویر نے سیٹ بند کر کے دوبارہ کیپٹن شکیل کو کال کیا اور ایکسٹو کا حکم بتا دیا۔ کیپٹن شکیل نے اُسے کوٹھی کی پشت پر آنے کے لئے کہا۔

تنویر نے اب گھڑی ہاتھ پر باندھ لی اور اِسی لباس میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوٹھی کی پشت پر چلا گیا۔

کیپٹن شکیل اُسے کہیں بھی نظر نہیں آیا وہ چند لمحے بغور اِدھر اُدھر دیکھتا رہا، دور ایک درخت سے کیپٹن شکیل نیچے اُترتا ہوا نظر آیا۔

تنویر۔ اِدھر آؤ۔ یہاں سے دیوار نیچی ہے۔ تم نیچے بیٹھو میں تمہارے کاندھے پر سوار ہو کر دیوار پر چڑھ جاتا ہوں۔

تنویر نیچے بیٹھ گیا اور کیپٹن شکیل اُس کے کاندھے پر پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا، وہ آہستہ آہستہ اُٹھا اب کیپٹن شکیل کے ہاتھ دیوار تک پہنچ گئے پھر کیپٹن شکیل اپنے بازوؤں پر زور دیتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا، پھر اُس نے نیچے بازو بڑھایا اور اُس کی مدد سے تنویر بھی دیوار پر چڑھ گیا پھر ہلکے سے دو دھماکے ہوئے اور دونوں اندر جا پڑے۔ چند لمحے وہ دونوں وہیں ٹھہرے رہے لیکن اُنہیں کوئی آہٹ سنائی نہیں دی، کوٹھی پر مکمل سکوت طاری تھا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پورٹیکو میں آئے یہاں زیرو پاور کا بلب روشن تھا جس کی مدھم روشنی ہو رہی تھی، وہ دونوں پنجوں کے بل چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ برآمدوں میں تین کمروں کے دروازے تھے، دو تو بندے تھے لیکن ایک کمرے کے دروازے سے روشنی کی پتلی سی لکیر کی ہول سے باہر نکل رہی تھی دو دونوں اُس طرف چلے گئے کیپٹن شکیل نے کی ہول سے اندر جھانکا لیکن سامنے ایک پردہ تھا، کمرے سے ہلکی ہلکی باتوں کی آواز آ رہی تھی۔

تنویر ہاتھ میں ریوالور لئے اِدھر اُدھر دیکھ رہا وہ پوری طرح چوکنا تھا کیپٹن شکیل نے دروازے کو ہلکے سے دبایا تو اُس میں ایک معمولی سی درز بن گئی اب باتیں کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی تھیں۔

اچانک کیپٹن شکیل اور تنویر چونک پڑے کیونکہ گیٹ کھلنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی شاید کوئی اندر آ رہا تھا، کیپٹن شکیل تیزی سے پیچھے ہٹ گیا، اِس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن چھپنے کے لئے کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ ایک لمحہ کے لئے وہ پریشان ہو گئے۔

پھر کیپٹن شکیل نے تنویر کا ہاتھ پکڑا اور دونوں آہستہ سے ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھ گئے ، کیپٹن شکیل نے دروازہ دبایا تو دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر اندھیرا تھا۔ دونوں دروازہ کھول کر اندر گھس گئے اور دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

گیٹ سے اندر آنے والی ایک وین تھی جو پورٹیکو میں کھڑی ہوئی کار کے پاس آکر رک گئی، و سائے وین سے نیچے اترے پھر اُنہوں نے وین کا پچھلا دروازہ کھول کر دو آدمیوں کو اُٹھایا اور کاندھے پر لاد لیا۔

کیپٹن شکیل جو دروازے کی جھری سے دیکھ رہا تھا، سمجھ گیا کہ دونوں آدمی جو کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں وہ بے ہوش ہیں۔ اتنے میں وین سے تیسرا آدمی نکلا اور اُس نے بھی وین سے ایک بنڈل اُٹھایا اور کاندھے پر لاد کر اندر آنے لگا۔

جب وہ تینوں کیپٹن شکیل کے سامنے سے گزرے تو کیپٹن شکیل نے دیکھا کہ اُن تینوں میں سے ایک عورت بھی کاندھے پر لدی ہوئی ہے۔ روشنی اتنی نہیں تھی کہ وہ اُن کی شکلیں دیکھ سکتا۔ وہ تینوں اِس کمرے کے دروازے پر جا کر رک گئے جہاں سے روشنی باہر آرہی تھی۔

اُنہوں نے دروازہ کھولا اور تینوں اندر داخل ہو گئے، دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔

چند لمحے انتظار کرنے کے بعد کیپٹن شکیل اور تنویر دوبارہ باہر آ گئے۔ اب کیپٹن شکیل دوبارہ کی ہول سے اندر جھانک رہا تھا لیکن اچانک وہ چونک پڑا جب بر آمدہ اچانک تیز روشنی میں نہا گیا۔ ابھی وہ دونوں پوری طرح سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ وہی دروازہ کھلا اور دو آدمی ہاتھوں میں ریوالور لئے سامنے آئے پھر تو چاروں طرف سے آدمی ہی آدمی اُبل پڑے ہر ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

کیپٹن شکیل اور تنویر حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے، آدمی اُن کے چاروں طرف سے اندھیرے ہی سے نکلے تھے اِس کا مطلب تھا وہ جب کوٹھی کے اندر داخل ہوئے تھے تب ہی سے وہ اِن کی نظروں میں تھے۔

اپنے ریوالور نیچے گرا دو۔

اُن میں سے ایک نے حکم دیا۔

اور وہ دونوں ریوالوروں کے سائے میں دروازے کے اندر داخل ہوئے اُن کے اندر جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ دن کے ساتھ صرف دو آدمی اندر داخل ہوئے، اندر داخل ہو کر اُنہیں حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا لگا۔

جب اُنہوں نے فرش پر پڑے ہوئے عمران، جولیا اور صفدر کو دیکھا عمران اور جولیا میک اپ میں تھے اور صفدر پنی اصلی شکل میں تھا۔ کیپٹن شکیل سمجھ گیا کہ یہ تینوں ہی ابھی وین سے لائے گئے ہیں۔ کمرے میں چھ آدمی کھڑے تھے، دو تو وہی تھے جو اِن کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔

کیوں یہی وہ فقیر تھا جو باہر بیٹھا ہوا تھا۔

اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

اِن دونوں کی تلاشی لو۔

اُس نے ایک آدمی سے کہا۔

اور وہ آگے بڑھ گیا، پھر اُس نے اِن دونوں کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر دیکھا، ریوالور تو وہ پہلے ہی باہر چھوڑ آئے تھے اِس لئے جیبوں میں اب کیا ملنا تھا۔ تلاشی کے بعد اِن دونوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے اور اِنہیں ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔

اب وہ سارے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

میرے خیال میں باس کا انتظار کر لیں۔ پھر وہ خود ہی اِن سب سے پوچھ گچھ کر کے اِن کے متعلق فیصلہ کریں گے۔

اُس آدمی نے کہا۔

باقی سب نے اُس کی تائید میں سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر خاموشی میں گزر گئی۔

پھر اچانک دروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں داخل ہوا، وہ سب کھڑے ہو گئے۔ سیاہ پوش نے ایک نظر عمران، جولیا، صفدر، شکیل اور تنویر پر ڈالی اور پھر آگے بڑھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

یہ دو کون ہیں۔

اُس نے کیپٹن شکیل اور تنویر کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سر یہ دونوں کوٹھی میں گھسے ہوئے تھے۔

اُن میں سے ایک نے جواب دیا۔

ہوں۔۔۔

میرے خیال میں یہ سب میک اپ میں ہیں، اِن کا میک اپ صاف کرو۔

باس نے حکم دیا۔

اور اُن میں سے ایک نے بڑھ کر الماری سے ایک بوتل نکالی اور اِن سب کے منہ دھلوائے۔ صفدر تو پہلے ہی اصل شکل میں تھا، باقی سب کا بھی میک اپ صاف ہو گیا اور اب وہ سب اصل شکل میں تھے۔

اوہو۔۔ یہ سب تو ایکسٹو کی ٹیم کے ارکان ہیں۔

اِن کی اصل شکلیں دیکھ کر اُن کا باس بھی چونک پڑا۔

گڈ۔ ہماری سب سے بڑی مشکل خود بخود حل ہو گئی۔

اب صرف اِن کا باس ایکسٹو رہ گیا ہے وہ بھی قابو میں آجائے گا ویسے بھی وہ اپنی ٹیم کے بغیر ہمارا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

ایس سکس تم اِن سب کو ہوش میں لاؤ اور ایس ٹو تم اِس کالے حبشی کو لے آؤ جسے اُس دن ہوٹل سے ٹریپ کر کے کوٹھی سے پکڑا تھا۔

اوکے۔

اور ایس ٹو کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایس سکس نے آگے بڑھ کر جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور باری باری عمران، جولیا اور صفدر کی ناک سے لگا دی اور خود پیچھے ہٹ گیا۔ سب سے پہلے صفدر ہوش میں آیا، اُس نے پہلے تو اِدھر اُدھر دیکھا پھر اُچھل کر بیٹھ گیا، پھر عمران نے ایک زور دار چھینک ماری اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

میری جان! ایک بار پھر میرے پاس آؤ میں جی بھر کر تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔

عمران نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں لیکن پھر جلدی سے کھول دیں۔

ارے وہ تو سارا خواب تھا۔

کہ کہہ کر وہ اُٹھ بیٹھا اور پھر آنکھیں جھپکا جھپکا کر چاروں طرف دیکھنے لگا، اُس کے چہرے پر حماقت کے آثار تھے، اتنے میں جولیا بھی ہوش میں آ گئی اور اب وہ چاروں طرف حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

اور پھر سب چونک پڑے جب اُنہوں نے جوزف کو ہاتھ اُٹھائے اندر آتے دیکھا۔ ایس ٹو جوزف کو کور کر کے اندر لا رہا تھا۔ ایس سکس نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ بھی پشت پر باندھ دیئے۔ یہ ایک عجیب نظارہ تھا، تقریباً ساری کی ساری سیکرٹ سروس اِس وقت بندھی مجرموں کے سامنے تھی اور مجرم اِس طرح دندناتے پھر رہے تھے۔ جولیا کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے لیکن عمران بڑے سکون اور اطمینان سے بیٹھا سب کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے ڈنر میں شریک ہو۔

دوستو۔۔ اب ہم پوری آزادی سے کام کر سکتے ہیں۔

نقاب پوش نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

لیکن اِن کا فیصلہ ہونا چاہیئے۔

اُن میں سے ایک نے نقاب پوش سے مخاطب ہو کر کہا۔

نہیں۔۔ ہمارا میجر آپریشن آج رات ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ اِنہیں بھی اِس نظارے کو دیکھنے کا موقع ملنا چاہئیے، اُس کے بعد ہم اِن سب کو گولی مار دیں گے۔

نقاب پوش کا لہجہ فخریہ تھا۔

جیسے آپ کی مرضی۔

پہلے آدمی نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

کیا آپ مینڈک کا آپریشن کرنے والے ہیں؟

عمران نے اچانک نقاب پوش سے مخاطب ہو کر کہا۔

ہاں! اگر تمہارے ملک کو مینڈک فرض کر لیا جائے تو۔

نقاب پوش نے مضحکہ خیز لہجہ میں کہا۔

تم ہی شوگی پاما ہو؟

عمران نے نقاب پوش کے فقرہ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اور وہ سب چونک پڑے۔

ہاں! تمہارا خیال درست ہے۔

نقاب پوش نے سرد لہجہ میں کہا۔

تو کیا تم اپنی شکل بھی نہیں دکھاؤ گے؟

عمران نے ایسے کہا جیسے کوئی عاشق اپنی محبوبہ کا دیدار کرنے کے لئے بے تاب ہو۔

یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔

نقاب پوش نے جواب دیا۔

ابھی عمران کچھ اور کہنے والا تھا کہ اچانک دروازے سے ایک اور آدمی اندر داخل ہوا اور شوگی پاما اُسے دیکھ کر چونک پڑا۔

آنے والا حاجی مظفر تھا جس کی کوٹھی میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن اُس کے چہرے کی رنگت کچھ اُڑی ہوئی تھی۔ اُس کے پیچھے ایک آدمی ٹامی گن لئے ہوئے تھا، سر یہ آدمی کوٹھی کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔

ٹامی گن والے نے ادب سے کہا۔

کیوں نہ داخل ہو۔ آخر کوٹھی اِسی کی تو ہے۔

شوگی پاما نے مبہم سا جواب دیا۔

آپ لوگ کون ہیں اور میری کوٹھی میں کیا کر رہے ہیں۔

حاجی مظفر نے پریشان لہجہ میں کہا۔

تم حکومت کی پالیسی بدلوانا چاہتے تھے، ہم ساری حکومت کو ہی بدل رہے ہیں۔

لیکن میں نے حکومت بدلنے کو تو نہیں کہا تھا اور دوسرا میں اپنی کوٹھی میں خلافِ قانون حرکات پسند نہیں کرتا۔

حاجی مظفر نے کہا۔

ہم تمہاری پسند و ناپسند کے ٹھیکدار تو نہیں ہیں۔

شوگی پاما نے خوفناک آواز میں کہا۔

لیکن آخر میری کوٹھی تم لوگوں نے کیوں پسند کی؟

یہ ہم تم سے بہتر جانتے ہیں۔

پھر شوگی پاما نے ایس ٹو کی طرف کوئی اِشارہ کیا اور اچانک ایس ٹو نے جیب سے ریوالور نکال کر حاجی مظفر پر تان لیا، ٹامی گن والا ایک طرف ہٹ گیا۔

تم کیا کر رہے ہو؟

حاجی مظفر ایس ٹو کی آنکھوں میں چمک دیکھ کر ڈر گیا۔

لیکن پھر پستول سے ایک شعلہ چمکا، ہلکی سی آواز آئی اور حاجی مظفر کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ سینے پر رکھے وہیں ڈھیر ہو گیا، چند لمحے اُس کا جسم کرب کی حالت میں تڑپتا رہا پھر ساکن ہو گیا، گولی عین دل پر لگی تھی۔

اپنے سامنے ایک آدمی کو یوں مرتا دیکھ کر صفدر کا چہرہ سرخ ہو گیا لیکن اُس کے ہاتھ پیچھے اتنے کس کر باندھے تھے کہ وہ مجبور تھا لیکن عمران بڑی دلچسپی سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا جیسے بچے مداری کا تماشہ دیکھتے ہیں۔

اِس کی لاش اُٹھا کر لے جاؤ۔

شوگی پاما نے ٹامی گن والے سے کہا

اور اُس نے ٹامی گن دیوار کے ساتھ رکھی اور پھر وہ لاش اُٹھا کر باہر نکل گیا، سارے ماحول پر ہیبت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

اِن سب کو ہال میں لے چلو۔

شوگی پاما نے ایس ٹو کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور خود آگے بڑھ کر کمرے سے نکل گیا۔

ایس ٹو اور اُس کے ساتھیوں نے ریوالور جیبوں سے نکالے اور اِن سب کو چلنے کا اِشارہ کیا۔

سب خاموشی سے اُٹھ کر اُن کے آگے چل دیئے، عمران اب خلافِ معمول خاموش تھا، وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اُس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔

اِس کمرے سے نکل کر وہ ایک برآمدے میں آئے اور وہاں سے ایک اور کمرے میں داخل ہو کر وہ سب ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ یہ ہال ایک پوری لیبارٹری معلوم ہوتا تھا۔

ہر طرف مشینیں ہی مشینیں سیٹ تھیں، اِن سب کو ایک کونے میں کھڑا کر دیا گیا، دو ٹامی گن بردار اِن پر پہرہ دینے لگے وہ دونوں بیحد مستعد معلوم ہوتے تھے۔

شوگی پاما ایک بہت بڑی میز کے پاس کھڑا تھا اُس کے ہاتھ مشین پر لگے ہوئے ہینڈل پر تھے، شوگی پاما کے ساتھی بھی ایک طرف چپکے سے کھڑے ہوئے تھے۔

سب دم بخود تھے کہ نجانے شوگی پاما کیا کرتا ہے، عمران سوچ رہا تھا کہ اِس بار برے پھنسے، مجرم اِن کی موجودگی میں کچھ کرنے والے ہیں اور وہ بے بس ہیں۔ سب سے بڑا المیہ یہ کہ عمران اور سیکرٹ سروس کی ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ مجرم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ عمران پہلی بار ایسی سچوئشن میں تھا کہ مجرم اُس کے سامنے ہیں اور ابھی تک اُن کے جرم کا پتہ نہیں چل سکا۔

عمران سوچ رہا تھا کہ اب کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے ورنہ وہ یہیں کھڑے رہ جائیں گے اور مجرم اپنا کام کر گزریں گے۔

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ شوگی پاما یکدم پیچھے مڑا اور اِن سب سے مخاطب ہو کر بولا۔

تم دیکھ رہے ہو ہم نے کیا انتظام کر رکھا ہے اور تمہیں ابھی تک معلوم نہیں کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ تمہارے ایکسٹو اور سیکرٹ سروس کی میں نے بہت تعریفیں سن رکھی تھیں لیکن اب تم دیکھ رہے ہو کہ میں نے کیسے ایکسٹو کو شکست دی اور جب میرا آپریشن کامیاب ہو گیا اور تم سب کی لاشیں اُسے ملیں گی تو وہ سٹپٹا تا رہ جائے گا۔

یہ کہہ کر اُس نے مشین پر لگے ہوئے ایک سرخ رنگ کے بٹن کو دبایا، مشین پر لگی ہوئی بڑی سی سکرین روشن ہو گئی، اُس پر سرخ سی لکیریں چمک رہی تھیں۔ شوگی پاما نے ہینڈل کو آہستہ آہستہ گھمانا شروع کر دیا اور سکرین صاف اور روشن ہو گئی۔

اور پھر عمران سمیت سب چونک پڑے جب اُنہوں نے سکرین پر صدر مملکت کو دیکھا جو کابینہ کے اجلاس کی صدارت کر رہے تھے، پھر آہستہ آہستہ فاصلہ سمٹتا چلا گیا۔

شوگی پاما نے ایک اور بٹن دبایا تو مشین کے ساتھ لگے ہوئے لاؤڈ سپیکر سے آواز نکلنی شروع ہو گئی، صدر مملکت کابینہ کے اجلاس سے خطاب کر رہے تھے اور اُن کی آواز لاؤڈ سپیکر سے نشر ہو رہی تھی، عمران کے چہرے پر اضطراب کی لہریں دوڑنے لگیں کیونکہ وہ اِس اجلاس کی

اہمیت جانتا تھا اُسے معلوم تھا کہ یہ اجلاس ایک غیر ملکی فوجی معاہدے کے بارے میں ہو رہا تھا جس کی تفصیلات گر دشمنوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں تو ملک کو شدید نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔

تم نے دیکھا کہ تمہارے ملک کا کوئی راز میرے لئے راز نہیں اور یہ سبز رنگ کا بٹن دیکھ رہے ہو، اِس کو دبانے کی دیر ہے یہ ساری عمارت ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گی۔

اور دیکھو۔ یہ کہہ کر شوگی پاما نے ہینڈل تیزی سے گھمانا شروع کر دیا، سکرین پر منظر بدلنے لگے۔ اب جو منظر سکرین پر اُبھرا تھا، عمران اُسے دیکھ کر چونک پڑا، یہ اُس خفیہ لیبارٹری کا منظر تھا جہاں اِس کے ملک کے سائنسدان ایک دوست ملک کے سائنسدانون کے ساتھ مل کر ہائیڈروجن بم بنانے میں مشغول تھے۔ ہائیڈروجن بم تقریباً تیار تھا اور اب اِس کا تجربہ کرنا باقی تھا، اور اِس وقت اِس کے تجربے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور اِس کی تباہی کا مطلب تھا ملک کی تباہی۔

اب شوگی پاما کو روکنا عمران کے لئے انتہائی ضروری تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر شوگی پاما ایسے مقاصد لے کر اِس ملک میں آیا تھا اور وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار تارہ گیا اور مجرم نے اپنا خوفناک جال پھیلا لیا، یہ پہلا مجرم تھا جس نے عمران کو شکست دی تھی۔

اور اِس شکست کو اب بھی فتح میں تبدیل کیا جاسکتا تھا اگر شوگی پاما کو روک دیا جائے لیکن عمران کے ذہن میں اِس کا کوئی حل نہیں آرہا تھا۔

دیکھا۔ تمہاری اِس خفیہ ترین لیبارٹری کی تباہی اِس سبز بٹن میں پوشیدہ ہے۔ اور دیکھو۔

شوگی پاما نے ہینڈل تیزی سے گھمانا شروع کر دیا، وہ سب کچھ ایسے کر رہا تھا جیسے کوئی مداری تماشہ دکھا رہا ہو لیکن اُن سب کے سانس اُن کے سینوں میں رکے ہوئے تھے اُنہیں معلوم تھا کہ اِس تماشہ کا مطلب خوفناک تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

شوگی پاما تیزی سے اِس خوفناک مشین کا ہینڈل گھما رہا تھا سکرین پر منظر بدل رہے تھے یہ وزارت خارجہ کے خفیہ ریکارڈ روم کا منظر تھا۔ اُس میں ہر طرف بڑی بڑی الماریاں تھیں

جن میں ملک کے اہم ترین راز بند تھے۔

تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے ملک کے اہم ترین راز میرے سامنے ہیں اب تم سوچ رہے ہو گے کہ میں یہ راز کس طرح حاصل کروں گا یہ میں ابھی بتادوں گا، مجھے ایک اطلاع کا انتظار ہے اُس کے بعد تم سارا منظر ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔

شوگی پاما نے سرخ بٹن دبادیا اور سکرین دوبارہ تاریک ہو گئی، شوگی پاما مشین سے ہٹ کر سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اِدھر عمران اور اُس کے ساتھیوں کے چہرے تاریک ہو رہے تھے اُنہوں نے جو کچھ دیکھا تھا اُس کا تصور ہی انتہائی بھیانک تھا، عمران کے ساتھی صرف یہ سوچ رہے تھے کہ شاید عین موقع پر ایکسٹو کی طرف سے کوئی معجزہ رونما ہو جائے لیکن عمران جانتا تھا کہ ٹیم کے بغیر بلیک زیرو کیا کر سکتا ہے۔

شوگی پاما بیٹھا ایک ایک چہرے کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

اب تمہیں سمجھ آگئی ہو گی کہ میں نے حاجی مظفر کی کوٹھی کو کیوں چنا تھا، اِس کی کوٹھی اِن تینوں جگہوں کے درمیان ہے اور یہاں سے میں اپنا وار انتہائی کامیابی سے کر سکتا ہوں۔

شوگی پاما اُنہیں سمجھا رہا تھا اور کامیاب ہونے کا مکمل یقین تھا اِس لئے وہ سب کچھ اُنہیں تفصیل سے بتا رہا تھا اور بندھے ہونے کے وجہ سے وہ اِس وقت بے بس تھے۔

عمران سوچ رہا تھا کہ شوگی پاما کو کس اطلاع کا انتظار ہے وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے ساتھ کھڑے کیپٹن شکیل کی کہنی اپنی کہنی سے ٹکراتی ہوئی محسوس ہوئی، عمران نے فوراً اُسے دیکھا تو کیپٹن شکیل نے آنکھیں بند کر لیں، اُس کا چہرہ حسب معمول سپاٹ تھا۔

عمران کچھ بھی نہ سمجھ سکا، اچانک شکیل نے آنکھیں کھول دیں اُس نے ایک نظر شوگی پاما کی طرف دیکھا جو اُسے دیکھ رہا تھا، پھر اُس نے ایک اُچٹتی ہوئی نظر عمران کی طرف ڈالی جو حیرت

سے اُسے تک رہا تھا۔ اُس نے دوبارہ اپنی آنکھیں بند کرلیں، پھر آنکھیں کھولیں اور پھر بند کرلیں، وہ اپنی آنکھیں اِسی طرح کھول اور بند کر رہا تھا جیسے آنکھ میں کوئی چیز پڑ گئی ہو۔

لیکن عمران جو اُس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا چونک پڑا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ شکیل اُسے آنکھوں کے ذریعے پیغام دے رہا ہے۔

یہ ایک انتہائی خفیہ اور جدید کوڈ تھا، جسے حال ہی میں عمران کے ملک کے ماہرین نے ایجاد کیا تھا اور کیپٹن شکیل کو اِس کی ٹریننگ ملٹری میں دی گئی تھی عمران کو بھی اِس کوڈ کا علم ہوا تھا اور اُس نے ایجاد کرنے والے کی ذہانت کی داد دی تھی۔

اب کیپٹن شکیل نے اِس کوڈ کو اِس موقع پر استعمال کر کے عمران کے دل میں اپنی وقعت اور بڑھالی تھی۔

چند منٹ تک کیپٹن شکیل آنکھیں بند کرتا اور کھولتا رہا اور پھر اُس نے اپنی آنکھیں پھیر لیں، عمران نے سارا پیغام سمجھ لیا اُسے علم ہو گیا کہ کیپٹن شکیل نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ کسی نہ کسی طرح کھول لئے ہیں، عمران دل ہی دل میں اُس کی ذہانت کی داد دے رہا تھا۔

اب شوگی پاما کرسی سے اُٹھ کر ٹہل رہا تھا۔ اُس کے انداز میں بے چینی ظاہر تھی، وہ شاید اُس اطلاع کا منتظر تھا۔

پہرہ دینے والے اپنی اپنی جگہ پوری طرح مستعد تھے۔

اچانک عمران نے کیپٹن شکیل کا ہاتھ اپنی پشت پر رینگتا ہوا محسوس کیا اور اُس کے چہرے پر اطمینان کی لہریں دوڑنے لگیں کیونکہ عمران کے ہاتھوں پر بندھی ہوئی رسی کسی سخت چیز سے آہستہ آہستہ کٹ رہی تھی۔

ویسے عمران اور کیپٹن شکیل بے حس و حرکت کھڑے تھے۔

چند ہی لمحوں میں عمران نے محسوس کیا کہ اُس کے ہاتھ رسی کی سخت بندشوں سے آزاد ہو چکے ہیں اب کیپٹن شکیل کا ہاتھ اُس کی پشت پر تھا اور اچانک کیپٹن شکیل کے ساتھ کھڑے ہوئے صفدر کو چونکتے دیکھا لیکن صفدر ذہین تھا اُس کا چہرہ اب سپاٹ تھا۔

عمران سمجھ گیا کہ کیپٹن شکیل پہلے طریقے سے صفدر کے ہاتھوں کی رسی بھی کھول رہا ہے، چند لمحوں بعد کیپٹن شکیل کے دونوں ہاتھ دوبارہ اُس کی پشت پر پہنچ چکے تھے اِس کا مطلب تھا کہ صفدر کے ہاتھ بھی رسیوں سے آزاد ہو چکے تھے۔

کیپٹن شکیل نے ایک بار پھر معنی خیز نظروں سے عمران کی طرف دیکھا اور پھر آنکھوں کے جھپکنے کا عمل شروع ہو گیا۔

عمران اِس پیغام کو بھی سمجھ گیا کہ کیپٹن شکیل اب آئندہ پروگرام کے متعلق پوچھ رہا ہے۔ عمران نے بھی اِسی طریقے سے بتادیا کہ وہ چند منٹ انتظار کرے، اب عمران سوچ رہا تھا کہ کس طریقے سے اِس سچوئشن پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ پہرہ دینے والے مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے اور اگر وہ ذراسی بھی حرکت کرتا تو یقیناً ٹامی گن سے اِنہیں بھون دیں گے۔

اتنے میں ہال کا دروازہ زور سے کھلا اور ایک خوفناک اور گرانڈیل حبشی اندر داخل ہوا، اُس کا قد اور جسم جوزف سے بے حد مشابہت رکھتا تھا شاید وہ بھی افریقہ کے کسی خونخور قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے اپنے جسم پر سیاہ رنگ کی پوستین پہن رکھی تھی، اِس لئے ظاہری نظر میں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بن مانس ہو، انسان نہ ہو۔ پوستین کی وجہ سے اُس کے سارے جسم پر بال ہی بال دکھائی دے رہے تھے۔

اُسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر شوگی پاما کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

ڈگی۔ کیا رہا؟

شوگی پامانے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔

سرسب انتظام ہو گیا ہے۔ حبشی نے جس کا نام ڈگی تھا ادب سے سر کو جھکائے ہوئے کہا۔

ہیلی کاپٹر چھت پر پہنچ چکا ہے؟ شوگی پاما نے بے چینی سے کہا۔

جی ہاں جناب۔ حبشی نے اُسی لہجہ میں جواب دیا۔

کوئی مشکل تو درپیش نہیں آئے گی۔

ڈگی کا راستہ دنیا کی کوئی مشکل نہیں روک سکتی جناب۔

حبشی نے فخریہ لہجے میں کہا۔

اچھا ٹھیک ہے۔

شوگی پاما نے اُس سے کہا۔

اور ہاں تم ہیلی کاپٹر پر جا کر بیٹھو اور اُسے سٹارٹ رکھنا، ہم آدھے گھنٹے میں پہنچنے والے ہیں۔

شوگی پاما نے حبشی سے مخاطب ہو کر کہا۔

حبشی ادب سے سر جھکا کر واپس مڑ گیا۔

اُس نے ایک نظر جوزف کو دیکھا، اُس کی آنکھوں میں چمک لہرائی اور پھر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

عمران نے سوچا شاید شوگی پاما کو اِسی اطلاع کا انتظار تھا اور وہ سمجھ گیا کہ شوگی پاما ملک میں تباہی مچا کر اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر ہیلی کاپٹر کے ذریعے فرار ہونا چاہتا ہے لیکن شوگی پاما کو جس اطلاع کا انتظار تھا وہ ابھی تک نہیں پہنچی تھی کیونکہ وہ بدستور اُس طرح ٹہل رہا تھا۔

ایس ٹو۔ وہ لوگ ابھی تک نہیں پہنچے۔

شوگی پاما نے ایس ٹو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سر اُنہیں پہنچ تو جانا چاہیئے تھا۔

ایس ٹو نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

اور شوگی پاما دوبارہ ٹہلنے لگا۔

عمران سمجھ گیا کہ شوگی پاما کو دراصل کسی اطلاع نہیں بلکہ چند آدمیوں کا انتظار ہے، اب عمران سوچ رہا تھا کہ وہ آدمی کون ہو سکتے ہیں اور شوگی پاما اُن کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔

ماحول پر گھمبیر خاموشی طاری تھی، وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔

اور عمران کے ساتھیوں کے دل بھی وقت کے ساتھ ساتھ دھڑک رہے تھے، ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر سوچ رہا تھا کہ دیکھو اب کیا ظہور میں آنے والا ہے۔ اُن سب کی اُمیدیں اب ایکسٹو پر لگی ہوئی تھیں لیکن ایکسٹو کی طرف سے ابھی تک کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

لیکن عمران جانتا تھا کہ بلیک زیرو اکیلا کیا کر سکتا ہے، عمران یہاں بری طرح پھنسا ہوا تھا کافی دیر خاموش کھڑے رہنے سے اس اُس کی زبان پر کھجلی ہو رہی تھی۔

مم۔ مم۔ میں کچھ عرض کر سکتا ہوں۔

عمران اچانک بول پڑا۔

اُس کی آواز سے شوگی پاما اور اُس کے ساتھی بے ساختہ چونک پڑے، جیسے کمرے میں ایٹم بم پھٹ پڑا ہو۔

کیا بات ہے۔

شوگی پاما تلخی سے بولا۔

میں اپنی ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں۔

عمران کے لہجہ میں عاجزی نمایاں تھی۔

کیا مطلب؟

شوگی پامانے حیران ہو کر پوچھا۔

میرا مطلب ہے کہ اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میرے ماں باپ ساری عمر آپ کے بال بچوں کے لئے دعائیں کریں گے۔

عمران نے دانت نکال دیئے۔

اور کمرے میں شوگی پاما کی قہقہہ گونج اُٹھا۔

خوب۔خوب۔ لیکن تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم سیکرٹ سروس میں شامل ہو جاؤ۔

جناب میں تو سیکرٹ سروس نام کے کسی جانور کو نہیں جانتا۔ میں تو بالکل بے گناہ ہوں۔

عمران کا لہجہ عاجزی سے اتنا بھرپور تھا کہ جولیا، صفدر، اور جوزف کا منہ بگڑ گیا، اُنہیں عمران کی یہ عاجزی قطعی پسند نہیں آئی تھی۔

باس۔۔ تم یہ کیا عورتوں والی باتیں کر رہے ہو؟

جوزف اچانک پھٹ پڑا۔

وہ یہاں آنے کے بعد پہلی بار بولا تھا۔

اب تک وہ آنکھیں بند کئے اونگھتا ہی رہا تھا، شاید اُس کی یہ حالت شراب نہ ملنے کی وجہ سے تھی، لیکن اب اُس کے چہرے پر غصّے کی سرخی آگئی تھی۔

تم چپ رہو شب تار کے بچے۔۔ میری جان کوئی فالتو ہے جو میں خواہ مخواہ دوسروں کے لئے مارا جاؤں۔

عمران نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے غصّے سے کہا اور جوزف منہ بگاڑ کر چپ ہو رہا۔

اچھا اگر تم یہ بتا دو کہ ایکسٹو کون ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔

شوگی پاما نے دلچسپی سے عمران سے کہا اور اب وہ چل کر عمران کے بالکل سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

میں بتا دوں گا لیکن اگر تم اپنے وعدے سے مکر گئے تو؟؟

عمران شوگی پاما کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ اگر تم نے سچ سچ بتا دیا تو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔

شوگی پاما کی آواز میں خوشی کا عنصر نمایاں تھا، وہ ایک قدم اور آگے بڑھ آیا، اب وہ عمران کے بالکل سامنے تھا۔

کیا خیال ہے بتادوں؟

عمران نے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بتادو۔ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔

کیپٹن شکیل نے اطمینان سے جواب دیا لیکن کیپٹن شکیل اِس کی آنکھوں سے ملنے والا پیغام سمجھ چکا تھا، عمران نے اُسے آئی کوڈ کے ذریعے ہوشیار رہنے کا کہا تھا۔

اچھا تو سُنو۔۔

عمران نے دوبارہ شوگی پاما کی طرف رُخ کرتے ہوئے کہا۔

عمران کے ساتھیوں نے حیرت سے سانس روک لئے، کیونکہ اگر عمران واقعی ایکسٹو کے متعلق بتا رہا تھا تو وہ یقیناً اُن کے لئے بھی ایک نئ خبر تھی۔ سب جانتے تھے کہ عمران ایکسٹو کو بخوبی جانتا ہے۔ جولیا کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی، جس اطلاع کی وہ مدت سے منتظر تھی وہ اب سامنے آنے والی تھی لیکن اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ عمران کو کسی طریقے سے بات بتانے سے باز رکھ سکے۔ سچوئشن ہی ایسی تھی کہ وہ اپنی محرومی گوارہ کر سکتی تھی لیکن ایکسٹو کو ظاہر نہیں ہونے دینا چاہیت تھی، لیکن عمران کو وہ روک نہیں سکتی تھی۔ اُس کے دل میں عمران کے خلاف نفرت کا لاوا اُبل رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عمران کبھی اپنی جان بچانے کے لئے ایکسٹو کو ظاہر بھی کر سکتا ہے لیکن اب صورت حال اُس کے سامنے تھی۔

بتاؤ۔ تم رک کیوں گئے؟

شوگی پاما نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

ایکسٹو دراصل۔۔۔۔

عمران نے بتانا شروع کیا۔

اور شوگی پاما نے اپنا منہ عمران کے اور نزدیک کر لیا

اور پھر اچانک وہ ہو گیا جس کی اُمید اُن میں سے کسی کو بھی نہ تھی۔ عمران بجلی کی طرح حرکت کی اور شوگی پاما کو اُس نے دونوں ہاتھوں سے جکڑ کر اپنے سامنے کر لیا۔

عمران کے حرکت میں آتے ہی کیپٹن شکیل اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر ٹامی گن والا زمین پر تڑپ رہا تھا کیپٹن شکیل کی زور دار فلائنگ کِک اُس کے سینے پر پڑی تھی۔ ٹامی گن اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا پڑی تھی۔

شوگی پاما کے ساتھی حیران و پریشان کھڑے تھے کہ اچانک صفدر نے ٹامی گن اُٹھالی اور اُنہیں کور کر لیا لیکن پھر ٹامی گن اُس کی ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑی اور وہ پھُرتی سے زمین پر لیٹ گیا ورنہ دوسری صورت میں ٹامی گن سے نکلنے والی ساری گولیاں اُسے بھون کر رکھ دیتیں۔

ٹامی گن سے نکلنے والی گولیوں نے شوگی پاما کے ساتھیوں کے جیسے خواب سے چونکا دیا، اُن سب کے ہاتھ جیبوں میں رینگے۔

اُدھر شوگی پاما عمران کے ہاتھوں میں بُری طرح مچل رہا تھا، شوگی پاما کسی بھینسے کی طرح طاقتور تھا کیونکہ عمران کو اُسے قابو میں رکھنے کے لئے کافی سے زیادہ طاقت استعمال کرنی پڑ رہی تھی۔

اچانک کمرہ اندھیرے میں ڈوب گیا کیونکہ کیپٹن شکیل نے سچوئشن کو دیکھتے ہوئے عقلمندی کا مظاہرہ کیا اور دیوار پر لگے ہوئے مین سوئچ کو آف کر دیا۔

اب اندھیرے میں جنگ ہو رہی تھی۔ گولیاں دھڑا دھڑ چل رہی تھیں ریوالوروں کے شعلے کبھی کبھی اندھیرے میں چمک اُٹھتے۔

پھر عمران کے ہاتھوں سے شوگی پاما نکل گیا۔

باہر نکلو۔۔

عمران کی آواز آئی۔

ایک گولی اُس کی طرف لپکی لیکن عمران کیپٹن شکیل اور صفدر زمین پر کروٹیں لے لے کر دروازے کی طرف جارہے تھے پھر اندھیرے میں دو آوازیں گونجیں۔ عمران، صفدر اور کیپٹن شکیل کے دل ڈوب گئے۔

کیونکہ دونوں چیخیں جولیا اور تنویر کی تھیں، پھر یکدم خاموشی چھاگئی، شاید شوگی پاما اور اُس کے ساتھی کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔ اب باہر سے بھی گولیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

اچانک کمرے میں روشنی ہوگئی یہ کام عمران کا تھا، کیونکہ اگر شوگی پاما اور اُس کے ساتھی کمرے میں ہوتے تو اُن سب کی جانیں سخت خطرے میں تھیں لیکن عمران گومگو کے عالم سے نکلنا چاہتا تھا۔ اِس لئے اُس نے روشنی کردی تھی۔

واقعی کمرہ شوگی پاما اور اُس کے ساتھیوں سے خالی تھا، شاید وہ سچوئشن کے تبدیل ہونے سے گھبرا گئے تھے۔

کیپٹن شکیل تم انہیں سنبھالو۔

عمران نے جھٹکے سے ٹامی گن اُٹھائی اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ کیپٹن شکیل اور صفدر پھُرتی سے جولیا اور تنویر کی طرف بڑھے، لیکن شکر ہے اور زندہ تھا۔ تنویر کے بائیں پہلو میں دو گولیاں لگی تھیں اور جولیا کے بازو میں گولی کا سوراخ تھا۔ خون بہہ جانے کے وجہ سے وہ دونوں بے ہوش تھے، جوزف قطعی بچ گیا تھا کیونکہ سچوئشن بدلتے ہی وہ لپک کر اپنے پاس پڑے ہوئے ایک بڑے بورڈ کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

کیپٹن شکیل نے بازو میں پہنے ہوئے کنگن سے ان تینوں کی رسیاں کاٹ دیں شاید وہ پہلے بھی اُس نے عمران اور صفدر کی رسیاں اِسی سے کاٹی تھیں۔

صفدر تم دوسری ٹامی گن اُٹھالو اور باہر نکل کر باہر کے آدمیوں کو بھون ڈالو میں اتنے میں یہ سب مشینیں توڑتا ہوں۔

یہ کہہ کر اُس نے کرسی اُٹھائی اور زور سے سامنے والی بڑی مشین پر دے ماری، مشین کا ڈائل ٹوٹ گیا۔

اُدھر صفدر نے لپک کر دوسری ٹامی گن اُٹھالی اور باہر کی طرف لپکا لیکن پھر جھٹکے سے رک گیا، کیونکہ سامنے دو آدمی جو صفدر کے دشمن ملک کے سفارت خانے سے تعلق رکھتے تھے ہاتھ اُٹھائے آتے نظر آئے اُن کے پیچھے ایکسٹو ٹامی گن لئے اندر آیا۔ ایکسٹو کے مخصوص نقاب سے وہ ایکسٹو کو پہچان گیا۔

صفدر کوئی زخمی تو نہیں ہوا۔

ایکسٹو نے پوچھا۔

سر! تنویر اور جولیا سخت زخمی ہیں۔ اُن کی حالت خراب ہے۔

صفدر نے جلدی سے جواب دیا

تو پھر جلدی سے اُن دونوں کو اُٹھا کر باہر کھڑی وین میں رکھو اور دانش منزل لے جاؤ۔ ڈاکٹر اکرم کو فون کر کے بلوالینا۔ میں نے باہر والے سب آدمی مار دیئے ہیں۔

صفدر نے لپک کر جولیا کو کاندھے پر لادا اور باہر کی جانب بھاگا اُدھر کیپٹن شکیل نے تنویر کو کاندھے پر ڈالا اور باہر کی جانب بھاگا پھر ایکسٹو نے اُن کو واپس مڑنے کا اِشارہ کیا اور کیپٹن شکیل جواب بھی دیوانہ وار مختلف چیزیں اُٹھا اُٹھا کر مشینوں پر مار رہا تھا۔

شکیل تم ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔

اور خود اُن کو لے کر باہر نکل گیا۔

ایکسٹو کی آواز سن کر اُس نے ماتھے پر آنے والا پسینہ پونچھا اور پھر ایک اور مشین کی طرف بڑھ گیا۔

شکیل باہر نکل آؤ۔۔

ایکسٹو کی آواز دروازے سے آئی۔

جو اُن دونوں کو باہر صفدر اور جوزف کے حوالے کر کے واپس آگیا تھا، کیپٹن شکیل دروازے سے باہر نکل آیا۔

تم باہر جا کر کار سٹارٹ کرو۔ میں آرہا ہوں۔

اور کیپٹن شکیل پھُرتی سے کار کی طرف بڑھ گیا، اُس نے جلدی سے کار کا دروازہ کھولا اور کار سٹارٹ کر دی، چابی اِس میں لگی ہوئی تھی اتنے میں ایکسٹو بھی بھاگتا ہوا باہر آیا صفدر اور جوزف کی وین جا چکی تھی۔

چلو۔ جلدی سے باہر نکلو۔

اور کار تیر کی طرح پھاٹک سے باہر نکل گئی۔

ابھی وہ مشکل سے سڑک پر مڑے ہی تھے کہ ایک کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور پوری عمارت سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔

ٹائم بم؟؟

کیپٹن شکیل نے ایکسٹو کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

ہاں ۔ جتنی جلدی ہو سکے زولا پہاڑی کی طرف چلو میں نے مجرموں کا ہیلی کاپٹر اُدھر جاتے ہوئے دیکھا ہے۔

ایکسٹو نے کہا۔

اور کیپٹن شکیل نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا پورا زور ڈال دیا اور کار گولی کی طرح دوڑنے لگی۔
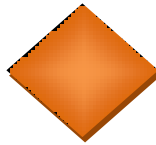
عمران ٹامی گن اُٹھائے تیزی سے دروازے سے باہر نکلا، وہ ایک کمرے میں تھا اُس نے پھُرتی سے کمرہ پار کیا اور بر آمدے میں پہنچ گیا، باہر گولیاں چل رہی تھیں اور ٹامی گنوں کی مخصوص ریٹ ریٹ کی آواز گونج رہی تھی۔ بر آمدے میں سامنے ہی اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں وہ دو دو سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر جانے لگا۔

آخر پچاس کے قریب سیڑھیاں طے کر کے وہ چھت پر پہنچا، چھت پر ایک بہت بڑا ہیلی کاپٹر کھڑا تھا۔ مجرم شاید کسی اور ذریعے سے چھت پر پہنچ چکے تھے اور جس وقت عمران پہنچا ہیلی کاپٹر کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور پھر تیزی سے بلند ہونے لگا۔

عمران ہیلی کاپٹر کی طرف لپکا لیکن وہ اُس کی نزدیک پہنچنے سے پہلے زمین سے تقریباً چار فٹ اوپر اُٹھ چکا تھا اور عمران پر تو دیوانگی طاری تھی اُس نے ٹامی گن پھینکی اور لپک کر ہیلی کاپٹر کا پائیدان دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

اُسے معلوم تھا کہ مجرم اگر ایک بار ہاتھ سے نکل گئے تو پھر وہ اُنہیں دوبارہ نہیں پا سکے گا اِس لئے اُس نے جان کی پرواہ کیئے بغیر ہیلی کاپٹر سے چمٹ گیا۔

اب ہیلی کاپٹر کافی بلند ہو چکا تھا اور ہیلی کاپٹر کی پائیدان سے چمٹا ہوا عمران کسی حقیر کیڑے کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر فضا میں کافی بلند ہو چکا تھا، ہوا کا دباؤ عمران کو ناقابلِ برداشت معلوم ہو رہا تھا ہیلی کاپٹر کی رفتار اب خاصی تیز تھی۔ اُس کی ہاتھ سن ہو چکے تھے عمران بخوبی جانتا تھا کہ اگر وہ ہیلی کاپٹر سے گر گیا تو اُس کی ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ اُس نے بازوؤں پر زور دیا پھر اُس کی ٹانگیں کسی ماہر جمناسٹ کی طرح اوپر اُٹھیں اور اِسی پائیدان سے جا لگیں جس کو ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا۔ اب مسئلہ تھا پائیدان کے اُوپر چڑھنے کا جو ناممکن معلوم ہو رہا تھا۔

کیونکہ ہوا کا دباؤ اُس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی اُدھر اُس کے ہاتھ بھی لمحہ بہ لمحہ سن ہو رہے تھے۔ زور آزمائی کی وجہ سے اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، یہ اُس کی جان کی بازی تھی۔ وہ برابر پائیدان پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اُس کے ہاتھوں کی گرفت لمحہ بہ لمحہ کمزور پڑتی جا رہی تھی۔

اور پھر اچانک اُسے ایسے محسوس ہوا جیسے اُس کے ہاتھ بے جان ہو گئے ہیں، عمران کا دل لرز اُٹھا۔ بھیانک موت سامنے منہ پھاڑے کھڑی تھی، اُس نے اپنی پوری کوشش کی کہ اُس کے ہاتھ پائیدان سے علیحدہ نہ ہونے پائیں لیکن افسوس ا،س کی سب محنت رائیگاں گئی اور دونوں ہاتھ ایک جھٹکے سے پائیدان سے علیحدہ ہو گئے۔ عمران کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کا دل تحت الثریٰ میں چلا گیا ہو۔

اُس کی جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ اُس نے سمجھا کہ وہ اب ہمیشہ کے لئے ہیلی کاپٹر سے نیچے پھیلے ہوئے گھپ اندھیرے میں گم ہو جائے گا لیکن شاید ابھی اُس کی زندگی باقی تھی کیونکہ اب وہ پاؤں کے بل ہیلی کاپٹر کے پائیدان کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔

طالب علمی کے زمانے میں کی ہوئی جمناسٹک اُس کی جان بچا گئی، اُس کے دونوں پیر پائیدان سے چمٹے ہوئے تھے اور وہ سر کے بل نیچے لٹکے ہوئے تھا، اُس کے دونوں ہاتھ فضا میں جھول رہے تھے۔

ہوا کا دباؤ لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا کیونکہ ہیلی کاپٹر کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی عمران نے سوچا کہ اب تو اتفاقاً اُس کی زندگی بچ گئی ہے لیکن اگر یہی سچوئشن تھوڑی دیر اور قائم رہی تو وہ یقیناً گر پڑے گا اِس لئے اُس نے پھرتی سے جسم کو موڑا اور پھر اُس کے ہاتھ دوبارہ پائیدان سے چمٹ گئے اُس نے آخری کوشش کی اور ایک زوردار جھٹکے سے وہ پائیدان کے اُوپر تھا۔ اُس کا سانس پھول چکا تھا۔

اُس نے ایک لمحہ تک اپنی سانس برابر کی اب عارضی طور پر وہ محفوظ تھا لیکن مسئلہ تھا اِس ہیلی کاپٹر کو کسی طرح قابو کرنے کا اور یہ سب تب ہی ہو سکتا تھا جب وہ ہیلی کاپٹر کی اندر گھس جاتا۔

لیکن ٹریجڈی یہ تھی کہ اُس کی جیب میں ریوالور بھی نہیں تھا اور ٹامی گن وہ وہیں چھت پر ہی پھینک آیا تھا۔

ہیلی کاپٹر کافی دور نکل آیا تھا اچانک عمران نے محسوس کیا کہ ہیلی کاپٹر کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ شاید وہ یہیں کہیں اُترنا چاہ رہا تھا اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیچے دیکھ رہا تھا کہ وہ کونسی جگہ پر پہنچ چکیں ہیں لیکن نیچے گھپ اندھیرا تھا، اب ہیلی کاپٹر کی رفتار کافی کم ہو چکی تھی اور وہ آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا۔

اچانک نیچے سے ایک ہلکی سی روشنی نظر آئی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی، عمران سمجھ گیا کہ کہ روشنی کسی بیٹری کی تھی۔ اِسی طرح روشنی تین بار چمکی اور بجھ گئی، عمران سمجھ گیا کہ ہیلی کاپٹر کا اُترنے کے لئے سگنل دیئے جا رہے ہیں۔ مجرموں کے فرار ہونے کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا اب ہیلی کاپٹر کافی نیچے آ چکا تھا اب عمران کو نظر آ گیا کہ ہیلی کاپٹر دارالحکومت سے تقریباً چالیس میل دور زولا پہاڑی پر اُترنے والا تھا۔

پہاڑی اب آہستہ آہستہ عمران سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی پہاڑی پر ہر طرف اندھیرے کی چادر تنی ہوئی تھی ویسے عمران سگنل دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ نیچے شوگی پاما کے آدمی موجود تھے۔

اب اِس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا کہ جیسے ہی ہیلی کاپٹر پہاڑی کے نزدیک پہنچے وہ چھلانگ لگا دے اور پھر جو بھی ہو دیکھا جائے گا۔

اب پہاڑی بالکل قریب آ چکی تھی، عمران نے فاصلے کا اندازہ لگایا اور پھر پنجے جوڑ کر نیچے چھلانگ لگا دی، یہ ایک خطرناک چھلانگ تھی کیونکہ اندازے کی معمولی سی غلطی اُسے ہمیشہ کی نیند سلا سکتی تھی لیکن عمران کا اندازہ صحیح ثابت ہوا، فاصلہ تقریباً اتنا ہی تھا جتنا اُس نے خیال کیا تھا اور پھر جیسے ہی اُس کے پنجے زمین پر لگے وہ لڑھکتا ہوا نیچے گرنے لگا اُس نے چھلانگ اِس طرح لگائی تھی کہ پنجے زمین پر لگتے ہی وہ لڑھک جائے ورنہ اُس کے جسم کی کوئی نہ کوئی ہڈی ضرور ٹوٹ جاتی۔

پتھریلی زمین کی وجہ سے چوٹین تو اب ھی اُس کے جسم پر کافی لگیں تھیں لیکن شکر ہے زیادہ شدید نہیں تھیں وہ برابر نیچے کی طرف لڑھک رہا تھا۔ اُس نے لڑھکتے ہوئے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارے تا کہ کوئی چیز پکڑ کر لڑھکنے سے بچ جائے۔ لیکن کافی دور تک اُس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہ آئی۔ پھر اچانک ایک جھاڑی پر اُس کا ہاتھ پڑ گیا، جھاڑی اتفاق سے کانٹے دار تھی اِس لئے اُس کے ہاتھ میں لا تعداد کانٹے چبھ گئے۔

لیکن اُس کا فوراً دوسرا ہاتھ زمین پر آ گیا اور وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا جس ہاتھ سے اُس نے جھاڑی پکڑی تھی اُس سے خون بہتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اُس نے پرواہ نہ کی اور دوبارہ پہاڑی پر چڑھنے لگا اب وہ کافی محتاط معلوم ہو رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر پہاڑی پر رک چکا تھا وہ جلد ہی اُس کے نزدیک پہنچ گیا، ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھل چکا تھا اور اُس میں سے مجرم باہر نکل رہے تھے۔

اب عمران مجبور تھا کیونکہ ا،س کے پاس ریوالور نہیں تھا اُس نے اُن میں سے کسی کو پھانسنے کے متعلق سوچا اب وہ سوچ رہا تھا کہ اُن میں سے کوئی علیحدہ ہو اور وہ اُسے پکڑے پھر اُسے موقع بھی مل گیا۔ اُن میں سے ایک آدمی پہاڑی کی طرف بڑھا، جیسے ہی وہ ایک طرف کو ہوا عمران بھی اُس کے سر پر پہنچ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے ایک میں ریوالور ہے اور دوسرے ہاتھ سے اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی بیٹری نکالی شاید وہ کسی کو سگنل دینے جا رہا تھا۔

صفحہ نمبر 147 اور 148 یہاں پر لکھے جائیں گے۔

حبشی بے پناہ طاقتور تھا کیونکہ عمران کی گردن حبشی کے ہاتھوں میں آ گئی تھی اور وہ اُس کا گلا گھونٹ رہا تھا اور عمران اُس کے پیٹ پر مکے مار رہا تھا۔ عمران کا ایک زوردار مکہ اُس کی پسلیوں پر پڑا، عمران کے گلے سے ایک لمحے کے لئے اُس کی گرفت ذرا ڈھیلی پڑی، عمران تڑپ کر علیحدہ ہو گیا۔

پھر اُسے پنڈلی کے ساتھ بندے ہوئے خنجر کا خیال آیا کیونکہ اُس کی پنڈلی کے ساتھ ہمیشہ ایک خنجر چمڑے کے مضبوط تسمے سے بندھا رہتا تھا اُس نے فوراً خنجر کھینچا اور حبشی کے مقابلے پر تن گیا۔

خنجر نکالنے کے دوران ایک زوردار مکہ عمران کے جبڑے پر پڑا اور پھر عمران کا پہلا خنجر کا وار حبشی کے سینے پر پڑا اور خنجر دستے تک حبشی کے سینے میں گھس گیا۔

حبشی کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ سینے کو دبائے نیچے گر پڑا وہ شاید مر رہا تھا کیونکہ خنجر کا وار عین اُس کے دل پر پڑا تھا۔

عمران نے نفرت سے بھرپور ٹھوکر حبشی کے جسم پر ماری، حبشی مر چکا تھا، عمران خنجر لئے دوسروں کو دیکھ رہا تھا اُسے ایک شخص اپنی طرف آتا دکھائی دے رہا تھا عمران سمجھ گیا کہ یہ کیپٹن شکیل ہے۔

کیپٹن شکیل۔ عمران چیخ کر کہا۔

عمران صاحب! کیپٹن شکیل وہیں رک گیا وہ شاید اُسے شوگی پاما کا آدمی سمجھ رہا تھا۔

کیا سچوئشن ہے۔ عمران نے پوچھا۔

شوگی پاما اور اُس کے دو ساتھی ہمارے قابو آ چکے ہیں باس اُنہیں ریوالور سے کور کئے ہوئے ہے۔ کیپٹن شکیل نے قریب آتے ہوئے کہا۔

وہ حبشی کے پاس آ کر رک گیا اور حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

ہاں اِسے میں نے مارا ہے، عمران نے اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور وہ دونوں اُدھر چل پڑے جہاں ایکسٹو نے شوگی پاما اور اُس کے دو ساتھیوں کو ریوالور سے کور کر رکھا تھا۔

عمران۔ ایکسٹو نے اُنہیں آتا دیکھ کر کہا۔

یس سر۔ عمران نے کہا۔

میرے خیال میں اُنہیں باندھنا چاہیئے کہیں یہ راستے میں گڑبڑ نہ کر دیں۔

اوکے۔ عمران نے یہ کہہ کر پنڈلی سے بندھا ہوا تسمہ کھولا اور پھر اُس نے شوگی پاما کے ہاتھ پشت پر باندھے۔ دوسروں کو کیپٹن شکیل نے ٹائی اور بیلٹ سے باندھ دیا اب وہ تینوں دھکیلتے ہوئے پہاڑی سے نیچے جارہے تھے۔

نیچے بھی تواُن کے آدمی تھے۔ عمران نے ایکسٹو سے کہا۔

ہاں۔اُنہیں ہم نے پہلے ہی ختم کر دیا ہے۔ایکسٹو نے مخصوص لہجے میں کہا۔

لیکن آپ یہاں کیسے پہنچے۔ عمران نے دوسرا سوال کر دیا۔

اپنے اندازے سے۔

ایکسٹو کی آواز آئی۔

اور عمران بلیک زیرو کی ذہانت دیکھ کر سر پر ہاتھ مارنے لگا۔

دانش منزل کے ہال میں سیکرٹ سروس کے ارکان بیٹھے تھے صرف تنویر موجود نہیں تھا کیونکہ وہ ابھی زیر علاج تھا ویسے اب اُس کی حالت خطرے سے باہر تھی جولیا بھی بازو پر پٹی باندھے اُن کے درمیان موجود تھی۔

اُن سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے کیونکہ اُنہوں نے ایک بہت بڑے کیس کو بخوبی نپٹایا تھا۔

اب یہاں وہ ایکسٹو سے اُس کی تفصیل سننے کے لئے جمع ہوئے تھے پھر سب ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہوگئے جس کا بلب سپارک کر رہا تھا۔

جولیا آگے بڑھی اور ٹرانمسیٹر کا بٹن آن کر دیا۔

ہیلو ممبرز۔۔ایکسٹو کی مخصوص آواز اُن کے کانوں سے ٹکرائی۔

کیا سب لوگ موجود ہیں۔

ایکسٹو نے پوچھا۔

یس سر۔

جولیا نے جواب دیا۔

تم لوگ کیس کی تفصیلات سننے کے لئے گے تاب ہو گے، یہ کیس ہمارے لئے کافی درد سر بنا رہا۔ شوگی پاما ایک بین الاقوامی مجرم ہے مجھے اطلاع ملی کہ وہ ہمارے ملک میں پہنچ گیا ہے میں چونّکنا ہو گیا لیکن مجھے اُس کے آنے کا مقصد معلوم نہیں تھا۔ اِس لئے سب سے پہلے میں اِس کوشش میں تھا کہ کسی طرح اُس کا مقصد معلوم ہو سکے۔

لیکن کامیابی نہ ہوئی شوگی پاما ایک انتہائی ذہین اور عیّار مجرم ہے، اُس نے اِس ملک میں آنے سے پہلے یہاں کی سیکرٹ سروس کے متعلق پوری معلومات حاصل کیں، بے انتہا کوشش کے بعد وہ کسی طریقے سے جولیا کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا، اب اُنہوں نے جولیا کے ذریعے باقی ممبروں کو پھانسنے کا پروگرام بنایا اور وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے کیونکہ جولیا کے علاوہ صفدر اور کیپٹن شکیل بھی اُن کی قید میں پہنچ گئے۔

جولیا کے بتانے پر وہ عمران تک بھی پہنچ گئے لیکن پھر کیپٹن شکیل کی ذہانت، جرات اور دلیری کام آئی اور کیپٹن شکیل، صفدر اور جولیا اُن کے چنگل سے باہر نکل آئے۔

پھر ہماری توجہ ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری کی طرف مبذول ہو گئی لیکن بہت کوشش کے باوجود ہم کچھ بھی نہ سمجھ سکے، جس وقت ہم نے شوگی پاما کا پیچھا کیا وہ ڈاکٹر جوہر کے میک اپ میں تھا، دراصل وہ کسی طریقے سے ڈاکٹر کی لیبارٹری میں پہنچ گیا اور ڈاکٹر جوہر کو اُس نے کسی حربے

سے طویل بے ہوشی میں مبتلا کر دیا، شوگی پاما کو گرفتار کرنے کے بعد ہم نے ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری پر بھی چھاپہ مارا اور ڈاکٹر جوہر کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

خیر ڈاکٹر جوہر کی جگہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ شوگی پاما لیبارٹری کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا، وہ خود بھی ایک ذہین سائنسدان تھا۔ اُس نے لیبارٹری کو استعمال کیا اور ڈاکٹر کے ایک ادھورے فارمولے سے ایک خطرناک دھند پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کا تجربہ اُس نے دارالحکومت میں کیا جس سے کافی تباہی پھیلی۔ بہر حال ڈاکٹر جوہر کا ایک تجربہ جس میں ڈاکٹر جوہر مشغول تھے اُس کی دست برد سے بچا رہا، شاید اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

بہر حال اُس کے اِس ملک میں آنے کے مقاصد بڑے خطرناک تھے وہ اپنے ساتھ دو تین مقاصد لے کر آیا تھا۔ اُس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ اُس لیبارٹری کو تباہ کر دے گا جہاں ہمارا ملک ہائیڈروجن بم بنا رہا ہے دوسرے وہ صدر مملکت اور دیگر کابینہ کو بھی ہلاک کرنا چاہتا تھا تا کہ ملک میں افرا تفری پھیل جائے، تیسرا وہ وزارتِ خارجہ کے ریکارڈ روم سے اِن قیمتی معاہدوں کی تفصیل اُڑانا چاہتا تھا۔

اُس نے بڑی خوبی سے اِن مقاصد کو ہماری نظروں سے پوشیدہ رکھا اور ہمیں دوسرے معاملوں میں پھنسائے رکھا اور خود درپردہ وہ جال پھیلانے میں لگا رہا۔ اُس نے جمیل جیولرز پر ڈاکہ ڈالا تا کہ ہم لوگ اُدھر متوجہ ہو جائیں اور وہ کامیاب ہو جائے۔ اُس دنوں اُسے ایسی کوٹھی کی ضرورت تھی جو مذکورہ بالا تینوں جگہوں سے زیادہ قریب ہو اور پھر اُس نے حاجی مظفر جیسے غدار کو تاڑا اور اُسے چکر میں لا کر کوٹھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ چاہتا تو جبراً بھی یہ کوٹھی حاصل کر سکتا تھا لیکن اُس نے ایسا اِس لئے نہیں کیا کیونکہ وہ اِس کی بھنک ہمارے کانوں میں نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔

لیکن اتفاق سے تنویر حاجی مظفر سے ٹکرا گیا اور پھر تنویر کی ذہانت سے ہمیں حاجی مظفر سے سارے حالات معلوم ہو گئے۔

اُس کے بعد ایک اور چکر چلا اور تقریباً ساری سیکرٹ سروس اُن کے قبضے میں چلی گئی وہاں جو کچھ بھی ہوا وہ آپ لوگ دیکھ چکے ہیں۔ اُن میں خاص طور پر کیپٹن شکیل قابلِ تحسین ہیں جنہوں نے سچوئشن کے لئے اپنی ذہانت سے کام لیا اور اپنے مخصوص کنگن کے ذریعے عمران اور صفدر کی رسیاں کاٹ دیں۔ عمران تو بہر حال عمران ہی تھا، اُس نے جو بھی کیا اُس سے اُس کی توقع کی جاتی تھی، بعد میں عمران نے ہیلی کاپٹر کے نیچے جس طرح موت اور زندگی کی کش مکش میں رہا اُس کی تفصیل آپ عمران سے سن لیں۔

بہر حال میں اتنا کہوں کہ عمران نے اپنی جان کی بازی لگا دی اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم اُسے زندہ دیکھ رہے ہیں۔

ہیلی کاپٹر پہاڑی پر جا اُترا اور میں کیپٹن شکیل کے ساتھ اپنے اندازے سے وہاں پہنچا، ایک خوفناک لڑائی کے بعد ہم شوگی پاما کو اور اُس کے دو ساتھیوں کو قابو کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اِس طرح ایک خوفناک کیس اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

میں سیکرٹ سروس کے سب ارکان سے بے حد خوش ہوں جنہوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر یہ کیس حل کیا۔ ایک بار پھر میں صفدر، کیپٹن شکیل، جولیا، تنویر اور عمران کو باری باری مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آئندہ بھی آپ اِسی طرح ملک و قوم کی خدمت میں جانوں کی بازی لگاتے رہیں گے۔

اب اگر کوئی بات پوچھنی ہو تو آپ بلا تکلف پوچھ سکتے ہیں۔

سر اُوہ آدمی کون تھے جنہیں آپ کور کر کے اندر لائے تھے؟

صفدر نے سوال کیا۔

ہاں۔ اُن کے متعلق تو مجھے آپ کو بتانا یاد نہیں رہا۔ وہ ہمارے دشمن ملک کے سفارت خانے کے آدمی تھے جو اِس خونی دھند کا فارمولا شوگی پاما سے خریدنے آئے تھے۔ شوگی پاما کا خیال تھا کہ وہ

اِس فارمولے کو بیچ کر پھر باقی مقاصد میں کامیاب ہو کر فرار ہو گا لیکن اُس کا یہ خواب آپ لوگوں کی فرض شناسی کی وجہ سے شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اوور اینڈ آل۔

ایکسٹو کی آواز آنا بند ہو گئی اور جولیا نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے ٹرانسمیٹر کا بٹن آف کر دیا۔

اب سب عمران کو مجبور کرنے لگے کہ وہ ہیلی کاپٹر والا واقعہ تفصیل سے سنائے۔

ار وہ تو کچھ بھی نہیں صرف ایک فلم کی شوٹنگ تھی جس میں مابدولت ایک ہیرو کا کردار ادا کر رہے تھے۔

عمران نے معاملہ ختم کر دیا اور جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

ویسے پھر بھی کچھ تو بتایئے۔

جولیا نے عمران کو مجبور کیا۔

پھر کبھی سہی۔ اب میں جا کر سلیمان کی پیٹھ تھپکوں جس نے مجھ سے زبردستی ورزش کرا کر میری جان بچائی۔

اور وہ عمران کے ساتھ جانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

عمران صاحب۔ اِس بار آپ کے کیپٹن فیاض نظر نہیں آئے۔

صفدر نے پوچھا۔

بھئی وہ حج کرنے گیا ہوا ہے۔

عمران نے صفدر کو آنکھ مارتے ہوئے کہا اور صفدر سمجھ گیا کہ فیاض آج کل ملک سے باہر ہے۔